احمدی نوجوانوں کیلئے

ماہنامہ

خالد

ربوہ

اگست ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا :۔

"آپ آزاد ہیں۔ اپنے مندروں، مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں میں جانے کے لئے آپ پاکستان کی مملکت میں بالکل آزاد ہیں۔ آپ کسی مذہب، فرقہ، عقیدہ سے تعلق رکھیں اس کا کاروبارِ سلطنت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم اِس بنیادی اصول سے اپنے نظام کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور مساوی الحیثیت ہمیں اس مسلک کو اپنے نصب العین کے طور پر سامنے رکھنا چاہیئے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان، مذہبی اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقائد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی لحاظ سے ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہو جائیں گے۔"

(مجلس دستور ساز پاکستان سے خطاب بحوالہ خطبات قائدِ اعظم صفحہ ۵۶۳)

دُنیا کے ہر احمدی کو چاہیئے کہ

پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دے

"لوگ تو اس ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آپ ان کوششوں کی راہ میں روک بن جائیں اور حُبّ الوطنی کے گیت گائیں اور ساری قوم کو سمجھائیں ـــــ حُبّ الوطنی کے جذبہ کو زخمی نہ ہونے دو۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ کو یہ جہاد بھی کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں حُبّ الوطنی کے احساس کو نمایاں کیا جائے اور بیدار کیا جائے اور ہر قسم کے ایسے خیالات جو پاکستان کو کسی طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں ان کے خلاف کوشش کرنا بھی جماعتِ احمدیہ کا کام ہے ـــــ

مَیں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ سلامت رکھے کیونکہ یہ ملک دین کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس لحاظ سے یہ واحد ملک ہے اس لئے اگر اس مقدس نام سے پیار اور محبت ہے تو پھر دُنیا کے ہر احمدی کو چاہیئے کہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دے۔"

(اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

15/8/98

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد 46 شمارہ 10

ظہور 1377 ہش

اگست 1998ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت۔/7 روپے ★ سالانہ۔/70 روپے

مینیجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

تمنا خدمتِ خلق است

نوعِ انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے

برسات کا موسم شروع ہے اور اس موسم میں ہمارے ملک میں بارشوں اور سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بے شمار مصائب اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں دیواریں گر رہی ہیں تو کہیں مکان، راستے خراب ہو رہے ہیں اور سڑکیں ٹوٹ رہی ہیں۔ ان قدرتی آفات کا شکار کچھ وہ لوگ بھی ہو رہے ہیں جو ان سب مسائل کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی اشیاء کو ترس رہے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اس موسم میں متعدی بیماریوں سے تڑپ رہے ہیں۔ یہ سب تکلیفیں برداشت کرنے والے انسان ہیں۔ انسانیت جس کا کوئی مذہب نہیں۔ کوئی رنگ نہیں۔ کوئی قوم اور نسل اور ملک نہیں۔ سچی اور حقیقی ہمدردی پر مبنی خدمت کرنے والے خادم کے لئے بھی اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ وہ کس کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کو تو انسانیت کی خدمت کرنا ہے۔ محض خدا کی رضا کی خاطر۔ وہ کسی سے کسی شکر گزاری اور مہربانی کے طالب نہیں ہوتے۔ پس ان دنوں میں احمدی خادم کو اپنے اسی امتیاز اور شان کو اور اعزاز کو قائم رکھتے ہوئے خدمت خلق کے تمام کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے اور ہمدردی بنی نوع کے لئے حضرت بانی سلسلہ کی ان تعلیمات کو ہرگز ہرگز نہیں بھولنا چاہئے جس میں آپ فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔" (روحانی خزائن نمبر2 (ملفوظات) جلد نمبر4 صفحہ 217)

"نوع انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔" (روحانی خزائن نمبر2 (ملفوظات) جلد نمبر4 صفحہ 438)

اور اسی خدمت اور ہمدردی کو اپنا نصب العین بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

شمع قرآن

ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے ساتھ ہے

حضرت مصلح موعود.......... تحریر فرماتے ہیں

"پس اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو! اپنے اندر جوش اخلاص اور ہمت پیدا کرو۔ تم آسمان کی طرف اڑو۔ کیونکہ تمہارا خدا اوپر ہے۔ تم نیچے مت دیکھو اور معمولی معمولی باتوں کے پیچھے مت پڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں طائر بنانا چاہتا ہے۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ جن پر تمہیں ابتلاء آجاتے ہیں۔ کہیں اس بات پر لڑائی ہو جاتی ہے کہ فلاں عہدہ مجھے کیوں نہیں ملا۔ کہیں اس بات پر کوئی شخص ٹھوکر کھاجاتا ہے کہ انجمن کا سیکرٹری فلاں کیوں بنا مجھے کیوں نہ بنایا گیا۔ گویا ہر وقت ان کی نظر نیچی رہتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تم کو طائر بنانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ ہم نے ہر انسان کی گردن کے نیچے ایک طائر باندھ رکھا ہے۔ اب بتاؤ جس کی گردن کے نیچے کوئی چیز باندھ دی جائے اس کی نگاہ کبھی نیچی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ تو ہمیشہ اوپر کی طرف دیکھے گا۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تم اپنی نگاہیں ہمیشہ اونچی رکھو۔ کیونکہ تم...... (دین حق کے ہیرو ہو) اور...... کے برابر دنیا میں اور کوئی نہیں ہوتا۔ پس فائدہ اٹھاؤ میرے اس وعظ و نصیحت سے اور جب اپنے گھروں میں جاؤ تو اس ارادے اور نیت کے ساتھ جاؤ کہ آئندہ ہم چوہے اور چھپکلیاں نہیں بنیں گے بلکہ وہ طائر بنیں گے جو ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اور اپنے خدا کی آواز کو سننے کی کوشش کریں گے۔"

(فضائل القرآن صفحہ ۴۴۲۔۴۴۱ از حضرت خلیفہ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ)

مشعلِ راہ

تم احمدی خادم ہو

مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے افتتاحی خطاب میں 20 نومبر 1955ء کو حضرت المصلح الموعود نے فرمایا:-

"تمہارا نام خدام الاحمدیہ ہے۔ خدام الاحمدیہ کے یہ معنی نہیں کہ تم احمدیت کے خادم ہو۔ خدام الاحمدیہ کے معنی ہیں تم احمدی خادم ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **سید القوم خادمھم** قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ اگر تم واقع میں سچے احمدی بنو گے اور سچے خادم بھی بنو گے تو تھوڑے دنوں میں ہی خدا تم کو "سید" بنا دے گا۔ ہر شخص تمہارا ادب اور احترام کرے گا۔ اور لوگ سمجھیں گے کہ ملک کی نجات ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ دیکھو یہ کس طرح اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر ملک کی خدمت کرتے ہیں۔ سو اپنے اس مقام کو ہمیشہ یاد رکھو اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہو کہ تمہارے ذریعہ سے دنیا کا ہر غریب اور امیر فائدہ اٹھائے۔ نہ امیر سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو نہ غریب سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو........ تم دونوں کی خدمت کرو کیونکہ احمدیت غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ بالشویک غریبوں کی خدمت کرتے ہیں اور کیپٹلسٹ امیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ تم خدام الاحمدیہ ہو تمہارا کام یہ ہے کہ امیر مصیبت میں ہو تو اس کی خدمت کرو اور غریب مصیبت میں ہو تو اس کی خدمت کرو۔ یہاں تک کہ ہر فرد بشر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کی نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر قسم کی قومی ترقیات تم حاصل کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پر نازل ہوں گی اور یاد رکھو کہ جہاں جہاں جاؤ۔ خدام کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرو........ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تم کو سچے طور پر خدام الاحمدیہ بننے کی توفیق دے کیونکہ ملک کو خدام احمدیہ کی ضرورت ہے جیسے میں نے بتایا ہے خدام الاحمدیہ جب ہم نے نام رکھا تھا تو اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ تم احمدیوں کے خادم ہو اگر تم یہ معنی کرو گے تو بڑی غلطی کرو گے اور ہم پر ظلم کرو گے۔ خدام الاحمدیہ سے مراد تھا احمدیوں میں سے خدمت کرنے والا گروہ۔ تم خادم تو دنیا کے ہر انسان کے ہو لیکن ہو احمدیوں میں سے خادم اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم احمدیوں کی خدمت کرو بلکہ مطلب یہ تھا کہ احمدی سٹینڈرڈ کے مطابق خدمت کرو۔ سو اپنا احمدی سٹینڈرڈ قائم کرو اور اسے بڑھاتے جاؤ........ اس طرح آپ ہی آپ تمہارا کام دوسروں سے بلند ہوتا چلا جائے گا اور تم ملک کے لئے ایک ضروری وجود بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے تم پر فضل نازل ہوں گے۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۴ مارچ ۱۹۵۶ء جلد ۱۰/۴۵ شمارہ نمبر ۵۴ صفحہ ۵ کالم نمبر ۱-۲)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حقوق العباد کی روشنی میں

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

ان آیات دینی تعلیم کی دو بنیادی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

اول:۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کی تعلیم

دوسرے والدین رشتہ داروں یتیموں مسکینوں ہر قسم کے ہمسایوں خواہ رشتہ دار ہوں یا بے تعلق حتی کہ اپنے ساتھ بیٹھنے والے لوگوں، مسافروں، خادموں اور ملازموں وغیرہ کے ساتھ بھی نیکی، احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی تعلیم کا خلاصہ یہی دو حکم ہیں۔ یعنی خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی۔ اسی پر ہر زمانہ کے نبیوں اور رشیوں نے زور دیا اور اپنے پاک نمونوں سے اللہ اور بندوں کے حق قائم کر کے دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی تعلیم دی باقی نبیوں نے بھی یہی درس دیا اور سب سے بڑھ کر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اپنے اصل مرکز پر قائم کر دکھایا۔ پھر اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح و مہدی نے آپ کے نقش قدم پر چل کر اس حسین تعلیم کو اپنے عملی نمونوں سے پھر زندہ کیا آپ نے واضح فرمایا کہ اصل سچی ہمدردی وہ ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت کی جائے۔

فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو خواہ کوئی ہو، ہندو یا مسلمان یا کوئی اور!"

(روحانی خزائن نمبر۲ جلد۷ صفحہ)

حقوق العباد کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجے کی دینی تعلیم کا نچوڑ آپ نے یہ پیش فرمایا کہ عدل اور احسان سے بھی بڑھ کر بنی نوع انسان کے ساتھ ایسی نیکی کرو جو ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی ایسی بے طمع نیکی جو ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے۔ اور یہ کوئی نظریاتی یا فلسفیانہ تعلیم نہیں تھی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عملی نمونہ سے اسے ثابت کر دکھایا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسے ایک والدہ مہربان اپنے بچوں سے کرتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ (اربعین نمبر۱ صفحہ ۲)

آپ نے اپنا نصب العین خدمت خلق بیان کیا۔ فرماتے ہیں۔

مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است

ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

یعنی میرا مقصود و مطلوب اور دلی تمنا مخلوق خدا کی خدمت ہے۔ یہی میرا کام ہے یہی میری ذمہ داری، یہی میری راہ اور یہی میرا طریق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو ماموریت کے منصب پر فائز فرمایا تو آپ نے شرائط بیعت میں ایک بنیادی شرط یہ رکھی کہ ہر بیعت کنندہ سچے دل سے اقرار اس بات کا کرے کہ "تمام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔"

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۴۶)

یہی تعلیم آپ نے اپنی جماعت کو بار بار ذہن نشین کرائی۔ فرمایا۔

۱۔ "میں دو ہی مسئلے لیکر آیا ہوں اول خدا کی توحید اختیار کرو دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی کا اظہار کرو۔

۲۔ تمہارے اندر بجز راستی اور ہمدردی خلائق کے اور کچھ نہ ہو۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۴۵)

۳۔ "بنی نوع انسان کے ساتھ سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ ہر ایک نیکی کی راہ اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔"

(الوصیت صفحہ ۱۱)

۴۔ "ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ تا آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں وہ ہم میں سے نہیں ہے میں حلفاً کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے کسی قوم سے دشمنی نہیں۔" (سراج منیر صفحہ ۲۸)

حقوق العباد کی اس اعلیٰ تعلیم کے بیان کے ساتھ میں مسیح پاک علیہ السلام کی سیرت کے کچھ خوبصورت اور ایمان افروز واقعات بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جو آج سے ایک صدی پیشتر قادیان کی بستی میں بڑی شان کے ساتھ جلوہ گر ہو رہے تھے۔

حقوق العباد کی ترتیب میں قرآن شریف نے اول حق والدین کا رکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ حق جس کمال خوبی سے ادا کیا اس کے اندازے کیلئے آپ کے یہ چند فقرات ہی کافی ہیں فرمایا۔

"میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کیلئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کیلئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے یقینی طور پر برا بالوالدین جانتے تھے۔" (کتاب البریہ صفحہ ۱۵۱)

خدمت والدین کا دعویٰ کرنے والے غور کریں۔ کتنے ہیں جو اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں؟ کہ

اول: محض ثواب کی خاطر خدمت والدین کرنے والے ہوں۔

دوم: ایسی خدمت ہو کہ اپنے تئیں اس میں فنا کر دیا جائے۔

سوم: اتنی خدمت ہو کہ انسان کو خود یقین ہو جائے کہ والدین اس سے راضی ہیں۔

والدین کے بعد اہل خانہ کا نمبر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ

"چاہئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔"

اس بارہ میں جو مثالی نمونہ آپ نے پیش فرمایا آپ کے برادر نسبتی حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جنہوں نے ایک فرد خانہ کی حیثیت سے آپ کی گھریلو زندگی کا مشاہدہ کیا اس کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

"میں نے اپنے ہوش میں کبھی حضور کو حضرت اماں جان سے ناراض نہیں دیکھا نہ سنا۔ بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک آئیڈیل جوڑے کی ہوتی ہے بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں جو حضور حضرت اماں جان کی فرمایا کرتے تھے۔"

یہ صرف ایک گواہی نہیں بلکہ حضور کا اہل خانہ سے حسن

سلوک زبان زد خلائق تھا۔ گھر میں کام کرنیوالی عورتیں اکثر یہ کہتی سنی گئی کہ "مرجا بیوی دی گل بڑی مندا اے" (یعنی حضرت مرزا صاحب اپنی بیوی کی بات بہت مانتے ہیں) دوسری طرف حضرت اماں جان نے بھی خدمت و اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

اولاد کے حقوق کا جہاں تک تعلق ہے عام لوگ تو ان حقوق کو سمجھتے ہی نہیں ان کے نزدیک پڑھ لکھ کر افسر بن جائیں تو یہی بڑی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نظریہ اسبارہ میں بالکل جدا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اولاد کی خواہش ہونی ہی اس لئے چاہئے کہ وہ خادم دین ہو' اولاد کی خواہش کر کے ان کی تربیت نہ کرنا اور ان کے لئے دعا نہ کرنا یا بدنی سزا وغیرہ دینا آپ کو سخت ناپسند تھا۔ فرماتے تھے میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ کوئی نماز ایسی نہیں جس میں اولاد اور بیوی کیلئے دعا نہیں کرتا۔ آپ نے اپنی اولاد کیلئے کیسی پر سوز دعائیں کی ہیں۔

مرے مولا مری یہ اک دعا ہے
تیری درگاہ میں عجز و بکا ہے
میری اولاد جو تیری عطا ہے
ہر اک کو دیکھ لوں وہ پارسا ہے
تیری قدرت کے آگے روک کیا ہے
وہ سب دے ان کو جو مجھ کو دیا ہے
وہ ہوں میری طرح دیں کے منادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

آپ کی انہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ آپ کی سب اولاد راہ مولیٰ میں زندگیاں وقف کرنے والی اور خادم دین ٹھہری۔

اور ہاں! اے احمدیو! دیکھو ان مقبول دعاؤں کے ایک شیریں ثمر اور دین حق کے منادی خدا کے شیر خلیفہ رابع کو دیکھو جو آج کبھی دعوت الی اللہ اور کبھی مباہلہ کے میدانوں میں اپنے عظیم دادا کی طرح چومکھی لڑائی لڑ رہا ہے۔ اور آج اس دوسرے نافلہ موعود کی شکل میں دین حق کا عظیم الشان منادی ایک شیر خدا خلیفہ ہمیں عطا ہوا اس میں کیا شک ہے کہ یہ بھی انہی دعاؤں کا شیریں ثمر ہے۔ جو آج اپنے دادا کی طرح دعوت الی اللہ کے میدانوں میں گرجدار اعلان کر رہا ہے۔

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

قرابت داروں کے بعد ملازموں اور خادموں کا ذکر آتا ہے۔ اپنے خدام کے ساتھ بھی حضور کا سلوک نہایت محبت' سادگی اور بے تکلفی کا تھا۔ سنت نبوی کے مطابق آپ کا معمول تھا کہ اگر کوئی خادم شریک سفر ہوتا تو نصف راستہ اسے گھوڑے پر سوار کراتے اور خود پیدل چلتے اور نصف راستہ سوار ہوتے۔ بڑے بڑے رؤسا کی دعوتوں میں تشریف لے گئے جہاں رؤساء کیلئے الگ اور نوکروں کے لئے الگ کھانے کا انتظام تھا۔ آپ نے اپنے ملازموں کو رؤساء کے کھانے کی جگہ پر اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ گھر میں آپ کی سادگی دیکھ کر بعض دفعہ باہر سے آنیوالی مہمان عورتیں حیران ہو کر کہتیں کہ ہمارے پیر تو جب اندرون خانہ آتے ہیں تو جیسے ایک تہلکہ مچ جاتا ہے اور ملازموں پر جیسے آفت ٹوٹ پڑتی ہے مگر حضور کا سلوک خادموں سے عجیب عفو اور درگذر کا تھا۔ بطور نمونہ دو لطیفے عرض کرتا ہوں۔

گھر میں ایک دیہاتی خادمہ تھی وہ اردو کے بعض الفاظ سمجھ نہ پاتی تھی۔ حضور نے ایک دفعہ اسے فرمایا کہ ایک خلال لاؤ وہ جھٹ پتھر کا دوائیاں کوٹنے والا کھرل اٹھا لائی۔ حضرت صاحب دیکھ کر بہت ہنسے مگر اسے کچھ نہ کہا۔

ایک دفعہ دروازے پر دستک ہوئی یہی ملازمہ گئی میاں غلام محمد کاتب نے کہا کہ جا کر کہو کاتب آیا ہے اس نے جا کر پیغام دیا کہ حضور! قاتل دروازے پر کھڑا ہے اور بلاتا ہے حضور بہت محظوظ ہوئے اور ہنس کر ٹال دیا۔ (سیرت المہدی روایت ۳۴۸)

حضور کے دیرینہ خادم حضرت حافظ حامد علی صاحب کی شہادت آپ کے اخلاق کے بارہ میں یہ تھی کہ میں نے تو ایسا انسان کبھی دیکھا ہی نہیں۔ مجھے ساری عمر میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ جھڑکا اور نہ سختی سے خطاب کیا بلکہ میں بڑا ہی سست تھا اور اکثر آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیر کر دیتا تھا۔ باہیں ہمہ آپ سفر میں مجھے ساتھ رکھتے۔ (سیرت مسیح موعود از عرفانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۷)

مصاحبوں اور دوستوں سے حضور کا تعلق دنیا کے عام پیروں

مریدوں سے بہت نرالا تھا۔ اپنے مریدوں سے تعلق کا کیسا پیارا نقشہ آپ کے دل میں تھا۔

"میری بڑی آرزو ہے کہ میرا ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میں میرا گھر ہو اور ہر ایک گھر میں میری کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے واسطہ رابطہ رہے۔"

(سیرت مسیح موعود از حضرت مولانا عبدالکریم صاحب صفحہ ۲۹)

اپنے مریدوں سے سچی اور دلی ہمدردی کا نمونہ آپ کی دعائیں تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے پاس دعا کیلئے جو خط آتا ہے میں اسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دعا نہ کرلوں کہ شاید (پھر) موقع نہ ملے یا یاد نہ رہے۔

(سیرت حضرت مسیح موعود عرفانی کبیر جلد ۳ صفحہ ۹۷)

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہی یہ تھا کہ اپنے دوستوں کے حق میں مقبول دعاؤں کی توفیق پائیں۔ ایک دفعہ فرمایا۔

"میں اس بات کے پیچھے لگا ہوا ہوں کہ اپنی جماعت کے واسطے ایک خاص دعا تو ہمیشہ کی جاتی ہے مگر ایک نہایت جوش کی دعا کرنا چاہتا ہوں جب اس کا موقع مل جائے۔"

(سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان کے رئیس تھے علاوہ مریدوں کے خادموں کی کمی نہ تھی مگر اپنے ہاتھ سے اپنے دوستوں کی خدمت اور مہمان نوازی کر کے لذت اٹھاتے تھے۔ حضرت سیٹھی غلام نبی صاحب آف راولپنڈی اپنا خوبصورت واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

"میں قادیان آیا سردی کا موسم تھا بارش ہو رہی تھی میں شام کا کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ رات بارہ بجے کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اٹھ کر دیکھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہیں۔ ایک ہاتھ میں دودھ کا گلاس ہے اور دوسرے میں لالٹین میں حضور کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دودھ آگیا تھا۔ میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی۔ اس لئے یہ دودھ آپ کے لئے لے آیا ہوں۔ سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں یہ خدا کا برگزیدہ مسیح اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی لذت پاتا اور کتنی تکلیف اٹھاتا ہے۔"

دوستوں کے لئے ایثار اور شفقت و محبت کا ایک اور واقعہ حضور کے ایک رفیق اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ میں نے گھڑوں کی طرف نظر اٹھائی۔ حضور نے فرمایا آپ کو پیاس لگی ہے؟ یہ فرما کر حضور بالاخانہ سے نیچے تشریف لے گئے اور پانی کا گلاس لائے۔ پھر فرمایا ذرا ٹھہریئے مجھے یاد آیا یہ کہہ کر پھر نیچے تشریف لے گئے اور دو بوتلیں شربت کی لائے۔ فرمایا یہ ہمیں تحفے میں آئی تھیں اور ہم نے نیت کی تھی کہ پہلے کسی دوست کو پلائیں گے۔ اب آپ کے آنے پر مجھے وہ بات یاد آئی۔ یہ فرما کر شربت کا گلاس بنا کر دیا۔ میں نے عرض کی کہ حضور اس میں سے کچھ پی لیں۔ حضور نے ایک گھونٹ پی لیا۔ پھر فرمایا اچھا ایک بوتل آپ لے لیں اور ایک بوتل باقی دوستوں کو پلائیں۔ ان دو بوتلوں میں سے حضور نے بس وہی ایک گھونٹ شربت کا پیا۔ اللہ اللہ کیا بے نفسی، للہیت، ایثار، دوست پروری اور مہمان نوازی ہے۔" (مضامین مظہر صفحہ ۲۲)

اپنے دوستوں کی خدمت میں ایثار اور مہمانوازی کا ایک اور واقعہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں گورداسپور سے ایک خط لیکر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمی اور دھوپ سخت تھی۔ رات کو بھی سو نہ سکا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نیچے کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ آپ مجھ سے خط لیتے ہی شربت لینے گھر تشریف لے گئے۔ گرمی اور کوفت کی وجہ سے میں اونگھ گیا اور وہیں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب پنکھا جھل رہے ہیں۔ (اللہ اللہ پیرو مرشد اور مرید کا یہ تعلق)

مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ میں اٹھ بیٹھا بہت شرمندہ ہوا۔ آپ

بہت پیار سے فرمانے لگے۔ "تھکے ہوئے تھے سو جاؤ اچھا ہے" میں نے عذر کیا۔ پھر آپ نے شربت دیا اور میں پی کر گھر چلا گیا۔

(سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی الکبیر صفحہ ۲۴)

حضور ہمارے آقا و مولا کے ارشاد سید القوم خادمھم کی عملی تفسیر تھے۔ پیرو مرشد اور مخدوم کے مقام کے باوجود آپ کی طبعا خادمیت پسند تھی۔ تبھی تو فرمایا

منہ از بہرا کرسی کہ ماموریم خدمت را

کہ ہمارے لئے کرسی مت بچھاؤ ہم تو خدمت کے لئے مامور ہیں۔

حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب (جو اپنی پیر گدی چھوڑ کر حضور کے ہاتھ پر مرید ہو گئے تھے) بیان فرماتے تھے کہ میں حضور کی خدمت میں رہتا تھا۔ مگر مجھ سے کام نہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضور کے خادم شیخ حامد علی صاحب قادیان گئے تو میں نے رات کو اپنی دیرینہ دلی تمنا سے حضور کی خدمت مبارک میں رہنے کی اجازت چاہی۔ فرمایا بہت اچھا۔ میں بعد نماز عشاء بیت مبارک کی چھت پر پہنچا۔ حضور خود تو فرش (بیت الذکر) پر چٹائی پر لیٹ رہے اور مجھے فرمانے لگے تم تو پیر ہو پیروں کو بغیر چارپائی اور عمدہ بستر کے نیند نہیں آتی۔ میں نیچے سے تمہارے واسطے چارپائی اور بستر گدا اچھا سا لاتا ہوں۔ میں تو یہ سن کر خوف سے کانپنے لگا کہ کہیں واقعی آپ یہ تکلیف گوارا نہ کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے زمین پر سونے کی عادت ہے۔ چھ چھ ماہ چلہ کشیاں کی ہیں۔ تب میری بات مانی۔ پھر پچھلی رات آنکھ کھلی تو فرمانے لگے صاحبزادہ صاحب جاگ اٹھے۔ وضو کے واسطے پانی لاؤں میں نے عرض کیا حضرت! خدمت کیلئے تو میں حاضر ہوا تھا آپ میری خدمت کیلئے تیار ہو گئے۔ فرمانے لگے کیا مضائقہ ہے؟ اللہ اللہ کیسی سادگی اور اپنے خدام کیلئے کیسا ایثار ہے؟

قادیان میں سینکڑوں مہمان آتے تھے حضور اپنے مہمانوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات اور آرام کا خود خیال رکھتے تھے۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب جب قادیان آئے۔ اس موقع پر اپنا یہ دلچسپ واقعہ وہ بیان کیا کرتے تھے۔ کہ حضور نے از راہ شفقت میرے لئے خصوصی طور پر ایک چارپائی دے رکھی تھی۔ جب مہمان آتے تو میری چارپائی پر آکر لیٹ جاتے اور میں چٹائی پر بستر بچھا لیتا۔ ایک دفعہ حضرت اقدس کو کسی نے اس کی خبر کر دی۔ حضور نے مجھے بلا کر فرمایا آپ زمین پر کیوں لیٹ رہے۔ برسات کا موسم ہے سانپ بچھو کا خطرہ ہے۔ میں نے بتایا کہ مہمان آکر چارپائی لے لیتے ہیں اور میں کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ حضور یہ سنکر اندر تشریف لے گئے اور ایک اور چارپائی بھجوا دی۔ یہ دوسری چارپائی بھی ایک دو روز تو میرے پاس رہی پھر کسی نے لے لی۔ ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی خبر ہو گئی۔ آپ نے صبح کی نماز کے بعد مجھے طلب کر کے فرمایا صاحبزادہ صاحب بات تو یہی ہے۔ جو تم کرتے ہو۔ اور ہمارے احباب کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ لیکن تم ایک کام کرو۔ ہم ایک زنجیر لگا دیتے ہیں۔ چار پائی میں زنجیر باندھ کر چھت پر لٹکا دیا کرو۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی یہ سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے ایسے بھی استاد آتے ہیں جو اس کو بھی اتار لیں گے۔ حضور بھی یہ سن کر مسکرا دیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام غرباء اور مساکین کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت اماں جان کی شہادت ہے کہ حضور صدقات بہت دیتے تھے اور ایسے خفیہ دیتے کہ کسی کو پتہ ہی نہ لگتا۔ آخری ایام میں تو جتنا روپیہ آتا اس کا دسواں حصہ پہلے ہی الگ فرما لیتے اور پھر اس کے علاوہ بھی دیتے اور بلا امتیاز حاجت مند کو عطا فرماتے۔ جوانی میں تو اپنا کھانا تک فقراء کو کھلا کر خود چنوں پر گزارا کرتے تھے۔ غرباء کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے۔ قادیان جیسے دیہات میں کوئی خاص طبی سہولتیں میسر نہ تھیں آپ نے از خود غرباء کے مفت علاج کا ذمہ لے رکھا تھا۔ اس بارہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا ایک چشم دید واقعہ قابل ذکر ہے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ بہت سی گنوار عورتیں بچوں کو دکھانے کیلئے آئیں۔ اتنے میں اندر سے بھی چند عورتیں شربت وغیرہ کیلئے برتن ہاتھوں میں لئے آنکلیں اور آپ کو دینی ضرورت کیلئے بڑا اہم مضمون لکھنا تھا اور جلد لکھنا تھا میں بھی اتفاقاً جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں حضرت کمر بستہ اور مستعد کھڑے ہیں جیسے کوئی یورپین اپنی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہے۔ آپ نے پانچ چھ

صندوق کھول رکھے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں۔ کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا اور ہسپتال جاری رہا۔ فراغت کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کس نشاط اور طمانیت سے مجھے جواب دیتے ہیں کہ

یہ بھی دینی کام ہے، یہ مسکین لوگ ہیں یہاں کوئی ہسپتال نہیں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا کر رکھتا ہوں جو وقت پر کام آتی ہیں۔ یہ ثواب کا کام ہے۔

(سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی الکبیر صفحہ ۲۶۷)

اپنے آقا حضرت رسول کریم ﷺ کی سنت کی اتباع میں آپ کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے۔ دہلی کا واقعہ ہے آپ مزارات دیکھنے کیلئے تشریف لے جانے لگے تو کسی نے کہا کہ ان مزاروں کے راستہ میں گداگر بہت ہوتے ہیں۔ آپ نے کمال فیاضی سے فرمایا آج ہم چلتے ہیں۔ ہم سب کو دیں گے اور پھر جو چند گداگر ملے، ان کو عطا فرمایا۔ ایک دفعہ ایک غیر احمدی سائل نے جنگل میں مسافروں کیلئے کنواں لگوانے کے واسطے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے فوراً دو صد روپے پیش کر دیئے۔ ایک دن نماز کے بعد آپ گھر تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک سائل کی آواز کان میں پڑی ہجوم کے باعث حضور توجہ نہ فرما سکے اندر جا کر واپس تشریف لائے اور خدام کو سوالی کے بلانے کیلئے ادھر ادھر دوڑایا۔ مگر وہ نہ ملا۔ شام کو پھر آیا تو حضور نے فوراً اسے کچھ عطا فرما دیا۔ چند دن کے بعد کسی تقریب میں فرمایا اس دن جب وہ سائل نہ ملا میرے دل پر ایسا بوجھ تھا جس نے مجھے سخت بے قرار کر رکھا تھا اور میں ڈرتا تھا کہ مجھ سے معصیت سرزد ہوئی ہے کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہیں کیا اور جلدی اندر چلا گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ شام کو واپس آ گیا ورنہ نہ جانے میں کس اضطراب میں پڑا رہتا اور میں نے دعا بھی کی تھی کہ اللہ اسے واپس بلائے۔ (خط مولوی عبدالکریم صاحب ۴ فروری ۱۹۰۰ء)

ایک دفعہ قادیان میں ایک سائل آیا وہ روزانہ صبح پھیری لگا کر حضرت میر حامد شاہ صاحب کا یہ شعر گاتے ہوئے سوال کرتا۔

ہوا ناصر خدا تیرا مرے اے قادیاں والے
ہمیں بخشی اماں تو نے ہے اے دارالاماں والے

رمضان کا مہینہ تھا۔ حضور نے اسے متعدد مرتبہ بہت کچھ دیا مگر وہ کہتا تھا میرا پیالہ بھر دو۔ عید کے دن وہ بڑا پیالہ لیکر آ گیا اور بیت کے دروازے پر چادر بچھا کر بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب تشریف لائے تو کہا میرا پیالہ بھر دو۔ حضور مسکرائے اور اس میں ایک روپیہ ڈال دیا پھر تو روپوں کا ایک ایسا مینہ برسا کہ واقعی اس کا پیالہ بھر گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بادشاہوں کی طرح منہ مانگی چیز عطا فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سوالی نے دریچے کے نیچے سے کرتا مانگا۔ حضور نے اپنا کرتہ اتار کر اس کے حوالہ کر دیا۔ ایک دفعہ ڈاکیا آیا تو کہا مجھے سردی لگتی ہے اپنا کوئی کوٹ دے دیں۔ حضور اندر جا کر دو کوٹ لے آئے فرمایا جو پسند ہے۔ لے لو اس نے کہا مجھے تو دونوں پسند ہیں۔ آپ نے دونوں ہی دے دیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء بھی اس فیاضی سے خوب فیضیاب ہوتے تھے۔ حضرت شہزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے ایک نہایت خوبصورت کامدار افغانی جبہ حضور کی خدمت میں تحفہ پیش کیا تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے اس کی بہت تعریف کی اور کہا حضور مجھے عطا فرما دیں۔ عدالت میں پہن کر جاؤں گا تو ایک رعب ہوگا۔ حضور نے مسکراتے ہوئے بلا توقف وہ جبہ ان کو عطا فرما دیا۔ فیاضی کا ایک اور واقعہ حضرت حافظ نور احمد صاحب سوداگر پشمینہ بیان کرتے تھے کہ میرا کاروبار خسارہ ہونے سے بند ہو گیا تو میں نے سفر کا ارادہ کیا اور حضور سے کچھ روپیہ مانگا۔ حضور ایک صندوقچی اٹھا لائے اور میرے سامنے رکھ کر فرمایا جتنا چاہو لے لو میں نے اپنی ضرورت کے موافق لے لیا گو حضور یہی فرماتے رہے کہ سارا ہی لے لو۔ (سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی الکبیر جلد ۳ صفحہ ۳۲)

حافظ صاحب کہا کرتے تھے میں تو ایک ہی بات کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھوڑا دینا جانتے ہی نہ تھے۔

حضرات! آج نفسانفسی کے اس دور میں جب انسان انسان کے

خون کا پیاسا ہے اور بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ دشمنوں سے حسن سلوک نہ صرف جنس نایاب ہے بلکہ بڑی عجیب اور اوپری سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر خدا کے فرستادے تو یہی نادر اور نایاب اخلاق دنیا میں پیدا کرنے کیلئے آتے ہیں۔ حضور اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میرا مذہب ہے کہ جب تک دشمن کیلئے دعا نہ کی جائے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا...... بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کیلئے دعا کرنا بھی سنت نبوی ہے۔ حضرت عمر اسی سے مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیلئے اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ اس لئے بخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہئے اور حقیقتہ موذی نہیں ہونا چاہئے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا نہیں اور یہی میں تمہیں کہتا اور سکھاتا ہوں"

دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسا قلب صافی عطا ہوا تھا جو بنی نوع انسان کیلئے محبت اور وفا کے جذبات سے معموز تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آپ کے اشد ترین مخالف تھے اور آپ کو کافر دجال قرار دینے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی حتی کہ اپنا رسالہ اشاعۃ السنۃ تو حضور کی مخالفت کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اس رسالہ کے کئی خریدار سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے رسالہ بند کر دیا۔ مولوی صاحب نے ان کا نام رجسٹرڈ خریداران سے خارج نہ کیا اور چندہ کا مطالبہ ان سے جاری رکھا۔ وہ کہتے کہ ہمارا حساب صاف ہے مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس شکایت کی تو حضور نے فرمایا کہ ان دوستوں کو لکھ دو کہ اس سے حساب نہ کریں اور روپیہ بھیج دیں کہ کبھی میرے ساتھ تعلق رکھتا تھا اور وہ جس قدر مانگتا ہے بطور احسان کے دے دیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی پر ایک زمانہ ایسا آیا کہ رسالہ اشاعۃ السنۃ کی اشاعت کیلئے مشکلات میں تھے۔ کوئی کاتب رسالہ لکھ کر نہ دیتا تھا۔ اپنے ہم مسلک مولوی ثناء اللہ صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا اجرات بھجوا دیں کام کروا دونگا۔ تب مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پیغام بھجوایا کہ منشی غلام محمد کاتب سے جو ان دنوں قادیان میں کام کرتے تھے کتابت کروا دیں۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب سے کہہ دو کہ وہ اپنی کاپیاں اور مضمون لیکر آ جاویں میں اپنا کام بند کر کے ان کا کام کروا دوں گا خواہ وہ میری مخالفت میں ہی ہو۔ سبحان اللہ! دشمن کے ساتھ بھی کیسا احسان اور وسعت حوصلہ کا سلوک ہے۔

آپ کے ایک اور معاند مرزا احمد بیگ ہوشیاپوری کے بیٹے مرزا محمد بیگ نے جموں جا کر ملازمت کرنے کیلئے حضرت مولانا نور الدین صاحب طبیب مہاراجہ جموں کے نام حضور سے سفارشی خط چاہا تو حضور نے کمال وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کو لکھا کہ آنمکرم کو معلوم ہو گا کہ اس کا والد مرزا احمد بیگ بوجہ اپنی بے سمجھی اور حجاب کے اس عاجز سے سخت کینہ اور عداوت رکھتا ہے کچھ مضائقہ نہیں کہ ان لوگوں کی سختی کے عوض میں نرمی اختیار کر کے ادفع بالتی ھی احسن کا ثواب حاصل کیا جاوے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے حسب خواہش اسے پولیس میں نوکر کروا دیا۔ (سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی الکبیر ۲۸۸)

ایک بار ایک مولوی صاحب قادیان آئے حضور سے عقائد کے بارہ میں بحث سے عاجز آ کر خاموش ہو رہے تو حضور نے فرمایا کیا آپ سمجھ گئے اس نے کہا جی میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ دجال ہیں۔ کیونکہ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ بحث میں دوسروں کا منہ بند کر دے گا۔ یہ خلاف واقعہ بات سن کر بھی حضور نے اعراض کیا اور گھر تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر بعد اس نے ایک رقعہ حضور کی خدمت میں بھیجا کہ میں ضرورت مند ہوں میرے ساتھ کچھ سلوک ہونا چاہئے۔ حضور نے فوراً اسے پندرہ روپے بھجوا دیئے۔ اس شخص نے جا کر امرتسر میں ایک اشتہار شائع کیا کہ میں نے ان کے منہ پر یہ کہا اور انہوں نے مجھ سے یہ سلوک کیا اور اگر وہ ذکر نہ کرتا تو کسی کو حضور کے اس سلوک کا پتہ نہ چلتا۔

اے سلامتی کے شہزادے تجھ پر سلام! کہ دشمن بھی تیرے

انعام سے حصہ پاتا تھا۔

قادیان میں نہال سنگھ نامی ایک شخص سلسلہ کا بڑا دشمن تھا اور اس کی تحریک پر حضرت مولانا نورالدین صاحب پر ایک جھوٹا فوجداری مقدمہ بھی دائر ہوا تھا۔ ہمیشہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر احمدیوں کو تنگ کرتا تھا۔ گالیاں دیتے رہنا تو ایک معمول تھا۔ عین ان ایام میں جب مقدمات دائر تھے۔ اس کے بھتیجے سنتا سنگھ کی بیوی کے لئے مشک کی ضرورت پڑی اس وقت نہ صرف یہ کہ کسی دوسری جگہ سے مشک ملتا نہ تھا بلکہ بہت قیمتی چیز تھی۔ مگر نہال سنگھ نے جب حضور کے دروازے پر جا کر مشک کا سوال کیا تو حضور اس کے پکارنے پر فوراً تشریف لے آئے اور سوال سن کر بلا توقف یہ کہتے ہوئے اندر تشریف لے گئے کہ ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں اور پھر کوئی نصف تولہ کے قریب مشک لا کر اس کے حوالہ کر دیا۔

(سیرت حضرت مسیح موعود از عرفانی الکبیر صفحہ ۲۸۴)

بلاشبہ دشمنوں سے ایسا حسن سلوک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی دل گردہ تھا۔

حضور کے آخری زمانہ کی بات ہے بیت اقصیٰ میں حضور تقریر فرما رہے تھے اور لاہور کے کچھ لوگ اور قادیان کے ہندو بھی موجود تھے۔ حضور فرما رہے تھے دیکھو ایک زمانہ تھا کہ میں اکیلا بٹالے جایا کرتا تھا۔ انہیں ایام میں خدا تعالیٰ نے مجھے کہا کہ "میں تیری طرف آنے کیلئے لوگوں کے راستہ کو کثرت استعمال سے ایسا کر دوں گا کہ ان میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ مگر تم نے دل میں گھبرانا نہیں۔ خدا خود تیرا سارا سرو سامان تیار کرے گا۔ اب دیکھ لو خدا نے کس طرح میرے لئے سازو سامان تیار کر دیا ہے۔"

حضور کی تقریر ابھی جاری تھی کہ دو سکھ بیت میں داخل ہوئے انہوں نے تقریر میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی۔ دو سپاہی ان کو پکڑ کر لے گئے۔ حضرت مسیح موعود کو تقریر کے بعد اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فوراً تھانیدار کو پیغام بھجوایا کہ ان سکھوں کو چھوڑ دو اور کچھ نہ کہو۔ چنانچہ اس نے چھوڑ دیا۔ (سیرت المہدی روایت ۸۳۶)

آخر میں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بارہ میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کا ایک جامع بیان سنانا چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت رؤف و رحیم تھے، سخی تھے، مہمان نواز تھے،..... عفو، چشم پوشی، خاکساری، وفاداری، سادگی...... ایفائے عہد، حسن معاشرت، وقار..... خوش روئی اور کشادہ پیشانی آپ کے ممتاز اخلاق تھے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس وقت دیکھا جب میں دو برس کا بچہ تھا۔ پھر آپ میری ان آنکھوں سے اس وقت غائب ہوئے جب میں ستائیس سال کا جوان تھا مگر میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آپ سے بہتر، آپ سے زیادہ خوش اخلاق، آپ سے زیادہ نیک، آپ سے زیادہ بزرگانہ شفقت رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ ایک نور تھے جو انسانوں کیلئے دنیا پر ظاہر ہوا اور ایک رحمت کی بارش تھی جو ایمان کی لمبی خشک سالی کے بعد اس زمین پر برسی اور اسے شاداب کر گئی۔"

مخلوق خدا کی حقیقی فلاح و بہود کا یہی وہ سچا جذبہ تھا جو آپ کو کشاں کشاں دعوت الی اللہ کے میدان میں لے آیا خود فرماتے ہیں۔

نہ من از خود نہم در کوچہ پندو نصیحت پا
کہ ہمدردی برد آنجا بہ جبرو زور و اکراھم

میں نے وعظ و نصیحت کے اس کوچے میں از خود پاؤں نہیں رکھا بلکہ مخلوق خدا کی ہمدردی مجھے مجبور کر کے اس میدان میں لے آئی ہے۔

حضرات! مخلوق خدا کی ہدایت کا یہی درد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سینے میں موجزن تھا۔ آج خدا تعالیٰ نے ان کے نافلہ خلیفۃ المسیح الرابع کے دل میں ودیعت فرمایا ہے اور یہی درد وہ اپنی جماعت کے دل و سینہ میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کس جوش اور جذبہ سے فرماتے ہیں۔

"دعوت الی اللہ کی جوت میرے مولیٰ نے میرے دل میں جگائی ہے اور جو شمع میرے دل میں روشن کی ہے اسے بجھنے نہیں دینا

بقیہ صفحہ 14 پر

سلامتی کا خُدائی تحفہ

(مکرم منشاد احمد صاحب۔ ربوہ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِاللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً (النور: ۶۲)

کہ جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلامتی بھیجو۔ یہ (سلام) ایک بڑا برکت والا اور پاکیزہ خدائی تحفہ ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک اور جگہ جنت کے پہرے داروں سے متعلق آتا ہے کہ وہ جنتیوں سے کہیں گے۔ سلام علیکم ادخلوا الجنہ بما کنتم تعملون (النحل: ۳۲)

کہ تم پر سلامتی ہو۔ اپنے کئے گئے نیک اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

قرآن کریم کی ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دوسرے پر سلامتی بھیجنا گویا کہ خدا تعالیٰ کے فضل حاصل کرنا اور فسلموا (پس تم سلام کرو) کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ سلام کا کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر لازم ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دین حق ایک مکمل معاشرتی نظام فراہم کرتا ہے اور اس معاشرے کا ہر ایک فرد آپس میں زنجیر کی طرح ملا ہوا ہے اور باہمی ہمدردی اور محبت کا جذبہ واضح ملتا ہے جس کی نظیر ہمیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ اس روشن اور پاکیزہ معاشرے کی بنیادی اکائی آپس میں سلام کا رواج ہے جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ملتا ہے کہ:۔

وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ (بخاری)

کہ تم ہر ملنے والے کو خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں، سلام کیا کرو۔

اسی طرح دین حق نہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو ہی سلام کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ یہی تعلیم دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کے متعلق بھی ہے۔ حضرت اسامہؓ بن زید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک مجلس کے پاس سے گذرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست، یہود سب ملے جلے بیٹھے تھے۔ آپؐ نے ان کو السلام علیکم کہا۔

(بخاری باب الاستیذان باب فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین)

آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کا یہ ایک اعلیٰ پہلو ہمیں آج دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتا کہ ہر ایک ملنے والے پر سلام بھیجو خواہ وہ تمہارا دشمن ہو یا دوست۔ اللہ تعالیٰ نے سلامتی کی فضیلت و برکت کے دائرہ کو مزید وسیع کیا ہے اور یہ تعلیم دی کہ اگر ہم کسی قبرستان کے پاس سے بھی گذریں تو وہاں کے مردوں پر بھی سلامتی بھیجیں اور یہ دعا سکھلائی۔ السلام علیکم یا اھل القبور گویا کہ یہ سلامتی انہیں پہنچنے والی ہے اور وہ بھی سلامتی کی برکات سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسین: ۵۹) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک مکمل سلام ہے جو اپنے اندر سب سے زیادہ برکات اور ثواب رکھتا ہے۔

حضرت عمرانؓ بن حصین بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور السلام علیکم کہا۔ آپؐ نے اس کا جواب دیا۔ جب وہ بیٹھا تو آپؐ نے فرمایا اس شخص کو دس گنا ثواب ہوا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا۔ جب وہ بیٹھا تو آپؐ نے فرمایا اس کو بیس گنا ثواب ملا ہے۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ کہا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ جب وہ بیٹھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کو تیس گنا ثواب ملا ہے۔

(ترمذی ابواب الاستیذان فی فضل السلام)

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے کو سلام کرے۔

محبت بھرا پیغام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وہ ہتھیار ہے جس سے سخت دل نرم پڑ جاتے ہیں اور محبت بڑھتی ہے اور جسے اپنانے پر آج کی ترقی یافتہ مغربی اقوام بھی مجبور ہیں خواہ وہ کسی اور طریق سے سلام کریں اور ایک مکمل اور کامیاب معاشرہ کی بنیاد آپس میں سلامتی بھیج کر ہی مضبوط ہو سکتی ہے۔

بقیہ از صفحہ 12

اسے بجھنے نہیں دینا۔ تمہیں خدائے واحد ویگانہ کی قسم ہے اسے بجھنے نہیں دینا۔"

پس اے احمدیت کے سپوتو! اٹھو اور آج اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہمدردی خلق سے سرشار ہو کر گھر گھر میں دعوت الی اللہ کے چراغ روشن کر دو کہ آج یہ بات نوشتہ تقدیر بن چکی ہے۔

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

آج کفر کی طاقتیں ان چراغوں کو گل کرنے کیلئے نبرد آزما ہیں اٹھو اور اپنے عمل سے ثابت کر دو کہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پس اٹھو کہ تاریک و تار دنیا تمہاری منتظر ہے۔ اسے اجالوں میں آپ نے بدلنا ہے۔ آپ اس عہد کی نورانی قندیلیں ہو۔ ہاں آسمان احمدیت کے روشن ستارو! اٹھو اور سیرت مسیح موعود کی روشنی اور اپنے اخلاق کے نور سے دنیا کو زیر نگیں کر لو۔ (خدا تمہارے ساتھ ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔) خدا ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکرم سیّد مبشر احمد صاحب ایاز ایڈیٹر ماہنامہ خالد کو مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء کو تیسرا بیٹا عطا فرمایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے نومولود کا نام افروز احمد عطا فرمایا ہے۔ نومولود مکرم سیّد اصغر حسین شاہ صاحب کا پوتا اور مکرم حبیب احمد خان صاحب مینیجر نیشنل بنک آف پاکستان لاہور کا نواسہ اور حضرت سیّد قاضی حبیب اللہ صاحب آف شاہدرہ رفیق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑنواسہ ہے۔

احبابِ جماعت کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو صحت و سلامتی والی لمبی عمر سے نوازے اور دین کا خادم بنائے۔ والدین کے لئے قُرۃ العین ہو۔

ولادت

مکرم محمود احمد طلحہ صاحب مربی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ ۱۶/۷/۹۸ کو بیٹے سے نوازا ہے حضرت صاحب نے بچے کا نام مسعود احمد طلحہ عطا فرمایا ہے۔ نومولود وقفِ نو کی مبارک تحریک میں شامل ہے۔ بچہ مکرم محمد سلیم صاحب زعیم انصار اللہ کھرڑیانوالہ ضلع فیصل آباد کا پوتا اور مکرم مبارک احمد صاحب خالد مینیجر و پبلشر ماہنامہ خالد و تشحیذ الاذہان کا نواسہ ہے۔

احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو باعمر، سعادت مند، والدین کے لئے قرۃ العین اور خادمِ دین بنائے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

(مکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب)

حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے علوم کی اہمیت اور افادیت پر تین تقاریر فرمائیں جن میں علوم کی اقسام اور ان کی تشریح فرمائی اور بیان فرمایا کہ ان علوم سے واقفیت ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک علم خط و کتابت کا علم بھی ہے۔ فرمایا۔

"چوتھا علم انشاء یا خط و کتابت ہے اس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح عمدگی سے اپنے خیالات کو تحریر اً ظاہر کیا جائے۔ خط و کتابت اور کتاب لکھنے میں فرق ہے۔ کتاب لکھنے والا یہ سمجھتا ہے اور ہوتا بھی یہی ہے کہ وہ سب کیلئے لکھ رہا ہے اور خط ایسا ہوتا ہے کہ لکھنے والا ایک شخص کو لکھتا ہے اور جو اس کو پڑھتا ہے وہ جانتا ہے کہ مجھے لکھا ہے اور گویا وہ سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہا ہے اس طرح پر یہ علم ایک مستقل اور بڑا علم ہے اور اس علم نے اس زمانہ میں بڑی ترقی کی ہے۔ بڑے بڑے کالج اس غرض سے کھولے گئے ہیں جہاں علم انشاء یا خط و کتابت کا علم سکھایا جاتا ہے پھر اس خط و کتابت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تاجروں کی خط و کتابت کس قسم کی ہو۔ افسروں اور ماتحتوں کی خط و کتابت کے کیا مراتب ہونے چاہئیں۔ اس غرض کے لئے مدرسہ اور کالج کھولے گئے ہیں۔ ان میں بتایا جاتا ہے کہ کس طرح خط کو زیادہ موثر بنایا جاتا ہے اور اس میں حفظ مراتب کے آداب اور امتیاز کو بھی سکھایا جاتا ہے۔"

تقریر جلسہ لجنہ اماء اللہ ۱۱ فروری ۱۹۲۳ء بحوالہ الازھار لذوات الخمار مرتبہ حضرت سیدہ ام متین صاحب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ صفحہ 91)

زیر نظر مضمون استاذی المکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب کی کتاب "جو دل پر گزرتی ہے" سے آنمکرم کی اجازت سے لیا گیا ہے۔ جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ واضح رہے کہ یہ مضمون آپ نے لندن میں قیام کے موقعہ پر لکھا تھا۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ مندرجہ بالا عنوان خود میرے ہی زیر قلم مضمون پر وارد ہوگا یا ان خطوط پر صادق آئے گا جن پر تنقیدی تبصرہ کرنا مقصود ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بیشتر خطوط تو ضرور غالب کے اسی مصرح کے مصداق ہوتے ہیں۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

خطوط ذاتی ہوں، کاروباری ہوں یا دفتری (سرکاری) وہ ایک خاص اہمیت اور اثر کے حامل ہوتے ہیں۔ مرزا غالب کے خطوط اپنی زبان کی سادگی، بیان کی چاشنی اور خوبصورت حد تک بے تکلفی کی وجہ سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔ انگلینڈ میں اٹھارویں صدی کو خطوط اور باغات کی صدی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس صدی میں یہاں باغات کو عمومی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسی صدی میں یہاں کے کئی خطوط نویس اپنے منفرد اور ممتاز خطوط کی وجہ سے خاص شہرت کے مالک بن

گئے۔ القصہ اچھے خطوط واقعی ایک قیمتی ادبی سرمایہ ہوتے ہیں۔ لیکن آج جن خطوط کے بارے میں مجھے خصوصی طور پر عرض کرنا ہے وہ دفتری خطوط (Official Letters) ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس رنگ اور لہجے میں یہ خطوط عام طور پر ہمارے ملک میں لکھے جاتے ہیں۔ اس کا مقابلہ یہاں (برطانیہ) کے خطوط سے کیا جائے تو بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے کہ خطوط لکھنے کا اچھا اور کامیاب طریق کونسا ہے؟ ہمارے ملک کے دفتری نظام اور یہاں کے یا کسی بھی ترقی یافتہ مغربی ملک کے دفتری نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہاں کے سرکاری ملازمین اپنے آپ کو عوام سے اونچا بلکہ ان کا حاکم سمجھتے ہیں جب کہ یہاں کے سرکاری ملازمین اپنے آپ کو واقعی عوام کا خادم ہونے کا ہی درجہ دیتے ہیں اور اس میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے یہاں سول سروس کے انٹرویو کے سلسلہ میں انٹرویو بورڈ کے صدر نے کہا تھا۔

"یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ آپ کے ملک میں سرکاری ملازمین اور خاص طور پر سول سروس کے افسر اپنے آپ کو عوام سے افضل سمجھتے ہیں اور اپنے فرائض بطور احسن بجا لاتے ہیں۔ لیکن یہاں پر عوام کی خدمت ہی پہلا اور آخری فرض ہے۔"

دفتری خطوط میں بھی فرق

یہی فرق ہمارے دفتری خطوط میں بھی نمایاں ہے۔ وہاں (پاکستان میں) خطوط کا لہجہ عموماً حاکمانہ، تحکمانہ بلکہ بڑی حد تک جارحانہ ہوتا ہے۔ یہ خطوط عام طور پر مبہم اور عوام کے علم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں کے خطوط کے متعلق سرکاری سطح پر یہ تاکید بلکہ اصول ہے کہ خطوط عام فہم، واضح، مختصر، شائستہ اور ہمدردانہ ہوں۔ یہاں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر خطوط نویسی کی خاص طور پر مشق کرائی جاتی ہے۔ افسوس کہ ہمارے یہاں ایسا کوئی انتظام نہیں۔ اور یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ جو شخص جس قدر مشکل اور روزمرہ کی زبان سے ہٹ کر خط لکھے وہ اتنا ہی قابل جانا جائے گا۔ حیرت ہے کہ قابلیت کا یہ معیار مغربی ممالک کو آج تک معلوم نہیں ہوا۔ ہمارے یہاں سرکاری سطح پر لکھے جانے والے خطوط میں جو خشک لہجہ اور بے نیازی پائی جاتی ہے اس کی جھلک مندرجہ ذیل خط میں صاف نظر آتی ہے۔ یہ خط ایک گورنمنٹ کالج کے پرنسپل صاحب نے پبلک سروس کمیشن کی طرف سے متعین ایک پروفیسر (خاکسار) کے نام تحریر کیا تھا:۔

"آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ڈائریکٹر صاحب کی چھٹی نمبر فلاں کے تحت آپ کو اس کالج میں لیکچرر مقرر کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ کو فوری طور پر اپنی ڈیوٹی شروع کر دینے کی ہدایت کی جاتی ہے۔" (پرنسپل (دستخط)

یہی خط اس ملک میں کچھ اس طرح سے تحریر کیا جاتا:۔

"ڈیئر مسٹر خان۔ میں آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو پبلک سروس کی طرف سے (ڈائریکٹر صاحب کی فلاں چٹھی کے حوالے کے مطابق) اس کالج میں لیکچرر مقرر کیا گیا ہے۔ براہ کرم جس قدر جلد ممکن ہو کالج میں رپورٹ کریں۔ میں اور میرے دوسرے ساتھی آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔
آپ کا مخلص (دستخط پرنسپل)

ہر خط کی زبان ہمدردانہ

ضروری نہیں کہ سبھی خطوط آپ کیلئے خوشخبری ہی لیکر آئیں بعض خطوط میں آپ کو ناکامی کی اطلاع بھی دی جاتی ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ خط کا اصل مفہوم اور مضمون خواہ کچھ بھی ہو اسے اچھے پیرائے میں ضرور بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس سے دوسروں کے جذبات کی قدر افزائی کے احساس کا پتہ چلتا ہے۔ ہمارے یہاں اول تو تقرر وغیرہ کے سلسلے میں درخواست دہندگان کو ان کی درخواست مل جانے کی اطلاع ہی نہیں دی جاتی۔ اور نہ ہی ناکامی کی صورت میں انہیں مطلع کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ہفتوں اور مہینوں کے انتظار کے بعد درخواست دہندہ خود ہی اندازہ لگا لیتا ہے کہ پذیرائی نہیں ہوئی اور اگر خوش قسمتی سے اطلاع بھی جائے تو خط کا انداز کم سے کم ہمدردانہ ہوتا ہے۔ یہاں آپ کسی بھی سرکاری محکمہ، فرم یا ادارہ کو کوئی بھی خط لکھیں اس کا جواب چند دنوں کے اندر اندر

آپ کو مل جائے گا اور یہ جواب مکمل اور نہایت ہی مناسب انداز میں ہو گا۔ میں دو خطوط بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ اس قسم کے سینکڑوں خط یہاں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر روزانہ تحریر کئے جاتے ہیں۔ پہلا خط انٹرویو وغیرہ سے قبل امیدوار کی طرف سے ابتدائی خط کے جواب میں ہے۔

"ڈیئر مسٹر۔ آپ کے فلاں تاریخ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے خط کو بغور پڑھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے تجربہ اور قابلیت کے مطابق ابھی ہمارے ہاں کوئی آسامی نہیں۔ بہرحال میں نے آپ کی درخواست سنبھال کر رکھ لی ہے اور جب بھی کوئی ایسی آسامی نکلی آپ کو اطلاع دی جائے گی۔ اگر آپ کو اس سلسلہ میں مزید کسی تفصیل کی ضرورت محسوس ہو تو براہ کرم لکھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کیجئے گا۔

آپ کا مخلص۔ مینیجر دستخط"

دوسرا خط انٹرویو میں ناکام ہونے والے امیدوار کے نام ہے:

"ڈیئر مسٹر۔ انٹرویو کے سلسلہ میں فلاں تاریخ کو آپ سے ملکر بہت خوشی ہوئی لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ کا نام ان امیدواروں میں نہیں آسکا جن کو تقرر کیلئے چنا گیا ہے۔ بہرحال ہمارے ساتھ تعاون کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد اپنی مرضی کی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

(آپ کا مخلص۔ دستخط دائریکٹر)

مجھے شروع شروع میں اپنے یہاں کے سرکاری اور دفتری خطوط اور یہاں کے اسی نوعیت کے خطوط میں فرق دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ لیکن سب سے بڑھ کر تعجب اس وقت ہوا جب سول سروس کے ایک جونیئر افسر کا ایک خط دیکھنے کا موقع ملا۔ جو اس نے اپنے محکمہ کے مینیجر کے نام لکھا تھا۔ سول سروس سے منسلک افراد ایک دوسرے کو محکمانہ اور دفتری سطح پر جو خط لکھتے ہیں۔ انہیں "سرکاری چٹھی" کہتے ہیں نہ کہ درخواست ایسے خطوط میں محکمہ کے مینیجر یا کسی بھی افسر کو "القاب" نہیں لکھا جاتا۔ خط ملاحظہ ہو۔

"مینیجر صاحب (The Manager) وزارت صحت و تحفظ عامہ

عنوان:۔ پیشگی الاؤنس

میں فلاں تاریخ سے ٹریننگ پر جا رہا ہوں۔ کیا آپ میرے لئے (اس قدر) پیشگی رقم کا بندوبست فرما سکیں گے۔ دستخط و تاریخ"

اس سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم مشرقی رکھ رکھاؤ اور بڑوں کے احترام کے قدیمی بے مثال طور طریقوں کو یکسر تیاگ کر بالکل ہی مغربی انداز کی خط و کتابت کو اپنا لیں۔ بیشک سلام مسنون اور مناسب القاب و الفاظ کا انتخاب و استعمال عین ضروری ہے۔ لیکن عموماً جس طور پر سرکاری و غیر سرکاری افسروں کے نام درخواستیں لکھنے کا ہمارے ہاں رواج ہے ان سے سرا سر غلامانہ ذہنیت' بے جا تکلفات' تضییع اوقات' منافقت اور بسا اوقات شرک کی بو آتی ہے۔ ہمارے دفتری نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہاں دفتر کے اندر اور باہر اونچ نیچ' اعلیٰ و ادنیٰ' متعلق و غیر متعلق اور افسر اور ماتحت کی فرسودہ اور بھیانک دیواریں حائل رہتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو عوام کا رابطہ اہلکاروں سے صحیح طور پر ہو پاتا ہے اور نہ ہی ملازمین میں جماعتی روح پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کسی دفتری یا کسی بھی نظام کو کامیابی اور سود مندی سے چلانے کیلئے ازبس ضروری ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ یہاں سرکاری محکمہ کا مینیجر ہو یا فرم کا سربراہ۔ وہ مشورہ اور دلجوئی کی خاطر بے دھڑک اپنے ماتحتوں کے پاس چلا آتا ہے۔ اور اس کی آمد پر نہ کسی قسم کی حیرت کا اظہار ہوتا ہے اور نہ ہی "با ادب با ملاحظہ ہوشیار" کا اعلان ہوتا ہے۔ نہ ہی کام میں دکھلاوے کی تیزی اور انہماک کی سرگوشیاں ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی شخص بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر "صاحب" کے حضور سرنیاز خم نہیں کرتا۔

سب اسی طرح اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے "صاحب" کی طرف سے مزاج پرسی کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے۔ اور ان کے استفسارات کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد "زلزلہ کے ٹل جانے کی خوشی میں" "بگلا بھگت" کے اصل روپ کو ظاہر کرنے اور گپ بازی کا دور گرم کرنے کی بھی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی یہاں کے دفتری عملہ میں دیانتداری' کام کی

لگن اور عوام کی خدمت کے جذبہ کو دو چند کرنے میں اس تعاون اعتماد، باہمی لحاظ و احترام اور بڑی حد تک خود مختاری کو بہت دخل حاصل ہے اس سے بہت سا وقت فضول قسم کے تکلفات، قواعد، غلط پیش بندیوں اور منفی سرگرمیوں کی بھینٹ چڑھ جانے سے بچ جاتا ہے۔ اور ذمہ دارانہ اور صحت مندانہ صلاحیتوں کو اجاگر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ گو یہ دفتری نظام اپنی جگہ ایک الگ مضمون ہے۔ لیکن اس کا مختصر طور پر ذکر کر دینا ضروری تھا۔

برطانوی دفتری نظام

ہمارے ہاں خطوط کو ان کے مقاصد اور تحریر کرنے کے طریقوں کے لحاظ سے تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اول:۔ ذاتی خطوط (جو عزیزوں اور دوستوں کو لکھے جاتے ہیں)

دوم:۔ کاروباری خطوط (جو کاروبار کے سلسلہ میں تحریر کئے جاتے ہیں)

سوم:۔ سرکاری (دفتری) خطوط جن کو درخواست کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ان درخواستوں کو بہت ہی اہتمام اور بڑھ چڑھ کر آداب و اکرام کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ "جناب عالی" کے القاب سے شروع ہو کر "آپ کا فرمانبردار" بلکہ "آپ کا سب سے زیادہ فرمانبردار" بلکہ اس سے بڑھ کر "آپ کا سب سے بڑھ کر فرمانبردار خادم" وغیرہ کے تذلیل آمیز اور مبالغہ آرائی سے لبریز الفاظ پر ختم ہوتے ہیں۔ ان سے غلامانہ ذہنیت کی بو آتی ہے۔

اس کے برعکس اس ملک (انگلستان) میں لکھنے کے انداز کے لحاظ سے صرف دو قسم کے خطوط ہیں۔ ذاتی خطوط اور دفتری خطوط۔ دفتری خطوط بالکل اسی طریقہ سے لکھے جاتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کاروباری خطوط۔ اور یہی درست طریقہ ہے کیونکہ خطوط خواہ کاروباری سلسلہ میں تحریر کئے جائیں یا سرکاری سطح پر وہ بہرحال دفتری خطوط کے زمرہ میں ہی آتے ہیں۔ اس لئے اصولی طور پر ان کے لکھنے کا طریقہ بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ شاید یہ تعجب کی بات ہو کہ یہاں سول سروس کے افسروں کو خاص طور پر ہدایت کی جاتی ہے کہ جب وہ پبلک کے کسی فرد کو کوئی خط لکھیں تو ذاتی خطوط کے انداز اختیار کریں یعنی شروع میں ڈیئر، مسٹر، مسز، مس اور آخر میں آپ کا مخلص کے الفاظ لکھے جائیں۔

مجھے یاد ہے کہ بہت سال پہلے انگریزی کی ایک کتاب میں ایک سبق مختلف قسم کے خطوط کے متعلق تھا اور سرکاری سطح پر لکھے جانے والے خطوط میں وہی طریقہ استعمال کیا گیا تھا جو برطانیہ میں رائج ہے۔ اور جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ یہ بات ہم سب "جناب عالی" کے پرستاروں اور فرمانبرداروں کیلئے بہت ہی حیران کن بلکہ پریشان کن تھی۔ آخر انگریزی کے ایک نہایت ہی قابل استاد نے یہ فرما کر سب کی بے چینی کو دور کر دیا کہ:۔

"یہ خطوط بہت ہی قدیم طرز کے ہیں جب کہ ابھی ہمارے ہاں کا جدید طریقہ شروع نہیں ہوا تھا۔"

میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ان صاحب کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ محکمہ تعلیم نے اتفاق سے ایک ایسے صاحب سے یہ سبق لکھوا لیا تھا جو کہ انگلینڈ میں خطوط کے رائج شدہ "قدیم طریقے" سے پوری طرح واقف تھے۔ لیکن اسے یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس صحیح طریقے کو تعلیمی سطح پر رائج کرے اور "جدید طریقہ" کی جگہ نصاب میں شامل کر کے قوم کے معماروں اور نونہالوں تک پہنچائے۔ اس مفید تبدیلی اور کئی اور قسم کی تبدیلیوں اور اصلاحات سے ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے ذہنوں سے انگریزی کا بے سود زنگ آلود اور غیر ضروری بوجھ بڑی حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں ہم "صاحب لوگوں" کی طرف سے سامراجی دور کی عطا کردہ انگلش گرائمر سے سر مو ادھر ادھر ہونا اس شاہی گریمر کی نازک مزاجی اور شاہانہ تمکنت سے پوری طرح باخبر نہ ہونے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ کاش ہم اسی بہانے کہ گو ہم بہت ثابت قدم اور اہل وفا ہیں اور اگرچہ ہمارے ہاں دفتری خطوط کا رائج شدہ طریقہ ہی "اصل اور صحیح" طریقہ ہے۔ لیکن انگریزوں کے انداز تحریر کو اپنانا زیادہ زیب دینے والا اور فیشن ایبل طریق ہو گا اپنے خطوط کی فرسودہ اور غلامانہ طرز تحریر سے ایک قدم پیچھے ہٹا لیں۔ ایسا کرنا یقیناً ایک صحت مند اور احسن اقدام ہو گا۔

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ

سفرنامہ

سفر ہم نے کیا

(مکرم فضیل عیاض احمد صاحب)

احمدیہ ٹیلیویژن کے جاری ہوتے ہی دنیا بھر کے احمدیوں کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ فرمایا کہ ہر احمدی اپنے بابرکت ٹیلیویژن کو کامیاب بنانے کے لئے کمربستہ ہو جائے اس طرح دنیا بھر کے مختلف ممالک میں پروگرام بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

پاکستان میں ان پروگراموں کی تیاری کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بصرہ العزیز نے بہت سی ہدایات سے نوازا۔ مضامین کے انتخاب سے لے کر کیمرہ کے استعمال تک کے بارہ میں حضور نے رہنمائی فرمائی اس کے بعد ایک مختصر سی ٹیم نے انتہائی بے سروسامانی میں محترم سید عبدالحئی صاحب ناظر اشاعت کی سربراہی میں کام شروع کیا۔ ابتداء میں محترم منیر احمد صاحب بسمل نے کام کا آغاز کیا جو اس وقت نظارت اشاعت کے شعبہ سمعی و بصری کے انچارج کے طور پر کام کررہے تھے ان کے ساتھ مکرم وحید احمد ناصر صاحب کام کرتے تھے۔ مکرم مظفر احمد ڈوگر صاحب جو اس وقت جامعہ احمدیہ کے طالب علم تھے بطور والنٹیر کام کرنے کے لئے آجاتے۔ چنانچہ جب ساہیوال کیس کے اسیران جو فیصل آباد جیل سے رہا ہوئے تو خاکسار فضیل عیاض احمد اور مظفر احمد ڈوگر ان کی ویڈیوگرافی کے لئے گئے۔ اور ان کے جیل سے باہر آنے کے تاریخی لمحات کو ریکارڈ کیا۔ ابتداء کام میں شامل ہونے والوں میں محترم ندیم احمد باسط صاحب مربی سلسلہ بھی ہیں جو جولائی ۹۴ء میں ہماری اس ٹیم میں شامل ہوئے۔

اس ٹیم نے متعدد پروگرام بنائے جن کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان پروگراموں کے سلسلے میں اس ٹیم کو دوسرے شہروں میں جاکر بھی پروگرام بنانے کا موقعہ ملا۔ یہ سفر بے حد دلچسپی کے حامل تھے آج ہم آپ کو ایسے ہی سفروں کی روداد سناتے ہیں۔

یہ سفر ربوہ سے بہاولپور تک کئے گئے۔ اصل میں یہ دو سفر ہیں ایک سفر کے شرکاء میں محترم محمد اعظم اکسیر صاحب، مکرم مظفر احمد ڈوگر صاحب ہمارے کیمرہ مین اور مکرم افتخار احمد گھمن صاحب ہمارے ڈرائیور اور خاکسار فضیل عیاض احمد شامل تھے۔ دوسرے سفر میں خاکسار کے ہمراہ ہمارے گاڑی کے ڈرائیور کے علاوہ مکرم مظفر احمد ڈوگر صاحب اور مکرم وحید احمد چٹھہ صاحب اور چند مقامی احباب شامل رہے۔ آیئے ان دونوں سفروں میں ہمارے ساتھ آپ بھی چلیں۔

سفر کا آغاز دعا سے ہوا اور ہم ربوہ سے روانہ ہوئے ربوہ دریائے چناب کے شرقی کنارے پر واقع ہے دریا پار کرتے ہی چنیوٹ کا قدیمی شہر آجاتا ہے۔ جو انتظامی لحاظ سے تحصیل ہے۔ چنیوٹ قدیم روایات کا امین اور کاریگروں کا شہر ہے۔ یہاں کا لکڑی کا کام پوری دنیا میں شہرت رکھتا ہے۔ خصوصاً کندہ کاری میں یہاں کے کاریگر لکڑی میں جان ڈال دیتے ہیں۔ سرگودھا سے فیصل آباد کو ملانے والی سڑک پر واقع چنیوٹ کا شہر ایک تاریخی شہر ہے۔ چنیوٹ سے ہم فیصل آباد کی طرف روانہ ہوئے فیصل آباد پاکستان کا مانچسٹر کہلاتا ہے ملک بھر میں ٹیکسٹائل کی صنعت کا مرکز ہے۔ پاکستان کے چند بڑے شہروں میں سے ایک فیصل آباد آٹھ بازاروں پر مشتمل ہے جن کے وسط میں ایک گھنٹہ گھر بنایا گیا ہے فیصل آباد کا پرانا نام لائل پور ہے یہ ایک انگریز مسٹر لائل کے نام پر آباد تھا۔ اس شہر کا موجودہ نام، سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل کے نام پر فیصل آباد رکھا گیا۔

یہاں قائم زرعی یونیورسٹی زراعت اور اس سے متعلقہ امور کی تدریس کی ایشیا بھر میں سب سے بڑی اور عظیم زرعی درس گاہ ہے۔

یہاں احمدی مخلصین کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ یہاں کی احمدیہ بیت کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کی بنیاد حضرت مصلح موعود نے رکھی۔ فیصل آباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر ماہر قانون دان اور عالمی شہرت یافتہ ماہر لسانیات سلسلہ احمدیہ کے مخلص خادم حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے قیام پاکستان کے بعد یہاں قیام فرمایا۔ آپ سیدنا حضرت مسیح موعود کے قدیمی رفیق حضرت منشی ظفر احمد صاحب کے فرزند تھے۔ آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود کے نظریہ عربی ام الالسنہ پر کام کرتے ہوئے ۷۴ سے زائد زبانوں کا اشتراک عربی زبان سے ثابت کیا یہ تمام زبانیں عربی زبان کی خوشہ چیں ہیں۔

فیصل آباد میں وہ جیل ہے جہاں ساہیوال کیس میں ماخوذ اسیران محترم محمد الیاس منیر صاحب حال جرمنی اور محترم رانا نعیم الدین صاحب حال حفاظت خاص لندن کئی سال محبوس رہے اور خدا کے نام کلمہ طیبہ کو محفوظ رکھنے کی خاطر گولی چلانے کے جرم میں دار ورسن کی صعوبتیں سہتے رہے۔

فیصل آباد سے جھنگ روڈ پر سفر کرتے ہوئے ہم پینسرہ پہنچے۔ پینسرہ دراصل پنج سر یعنی پانچ راستوں کا شہر ہے۔ یہاں سے پانچ مختلف راستے پانچ مختلف شہروں کو نکلتے ہیں پینسرہ سے گزر کر گوجرہ کا شہر آتا ہے یہ شہر ایک بڑی زرعی منڈی ہے اب ترقی یافتہ ہے گوجرہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ پاکستان کی ہاکی ٹیم کے لئے نرسری کا کام کرتا ہے یہاں جماعت احمدیہ کی بیت اور ایک خوبصورت مربی ہاؤس بھی ہے سرسبز و شاداب درختوں میں گھری یہ بیت اس شہر میں جماعت احمدیہ کی روحانی بالیدگی کا سامان ہے۔

گوجرہ ہی میں سلسلہ کے معروف شاعر جناب سید محمد اسماعیل احسن صدیقی مرحوم کا گھر بھی ہے احسن صاحب نے دسمبر ۱۹۹۵ء میں وفات پائی۔ ان کی معروف نظم اب بھی زبان زدِ عام ہے۔

عرفان کی بارش ہوتی ہے دن رات ہمارے ربوہ میں

اک مردِ قلندر رہتا ہے دریا کے کنارے ربوہ میں

گوجرہ سے چل کر ہم ٹوبہ ٹیک سنگھ پہنچے۔ یہ ضلعی صدر مقام ہے اور قدیم اور جدید کا امتزاج اس شہر میں نظر آتا ہے حال ہی میں اسے ضلع قرار دیا گیا یہاں کی سڑکیں کافی کھلی ہیں۔ بنیادی طور پر ایک دیہی علاقہ ہے جہاں گنے گندم اور دھان کی کاشت ہوتی ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ہم نہایت تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے بہاولپور کی طرف رواں دواں تھے کہ ناگاہ ایک دھماکے کی آواز آئی اور ہماری گاڑی ڈولتی ہوئی رک گئی۔ جولائی کی تپتی دوپہر میں سڑک کے کنارے رک گئے اگلا ٹائر برسٹ ہو چکا ہے ہمارے ساتھیوں میں سے محمد اعظم صاحب اکسیر اپنی مخصوص بھیرہ کی زبان میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے سڑک کے کنارے پڑے ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کہ ہمارے ڈرائیور افتخار احمد کب ٹائر بدلتے ہیں اب جو ہم ٹائر کی طرف متوجہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ڈرائیور کی سمت والا اگلا ٹائر بری طرح سے پھٹ چکا ہے۔ ہم نے اپنی رفیقِ سفر اس گاڑی کا پہیہ بدلا پانی پیا اور سفر پر رواں دواں ہو گئے۔

اب ہم رجانہ پہنچنے والے تھے۔ رجانہ ٹوبہ اور کمالیہ کے درمیان ایک چھوٹا سا قصبہ نما گاؤں ہے اور بسوں کا اڈہ بھی ہے۔ رجانہ سے آگے کمالیہ آتا ہے۔ کمالیہ پاکستان بھر میں اپنی کھدر کی صنعت کے وجہ سے بے حد معروف ہے لیکن وقت کی کمی کے پیش نظر ہم کھدر بننے کے مختلف مراحل تو ریکارڈ نہیں کر سکے تاہم کمالیہ کی سڑک سے گزرتے ہوئے ہم نے کمالیہ کا ایک منظر ریکارڈ کر لیا۔

کمالیہ سے نکل کر ہم چیچہ وطنی سے گزرتے ہوئے ملتان جانے والی قومی شاہراہ پر روانہ ہوئے دوپہر کا سورج خوب چڑھ چکا تھا بھوک سے ہماری بری حالت ہو رہی تھی پیٹ میں مانو چوہے دوڑ رہے

تھے کراچی جانے والی ریلوے لائن اور سڑک کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی نہر کے کنارے قائم ایک ہوٹل پر ہم نے کام و دہن کی لذت کا اہتمام کیا- ہمارے ساتھی اور کیمرہ مین مظفر احمد ڈوگر نہانے کے بے حد شائق ہیں وہ ادھر ادھر گھوم رہے تھے نہر کو دیکھ کر ان کے نہانے کا شوق فزوں تر تھا کہ ناگاہ ان کی نگاہ ہوٹل کی بائیں جانب ایک احاطے میں ان کو ایک Pool نظر آیا جہاں ٹیوب ویل سے تازہ تازہ پانی گر رہا تھا اور لڑکے بالے اس میں نہا رہے تھے- مظفر صاحب نے قمیض اتاری اور لگادی چھلانگ اس تازہ بتازہ پانی میں اور لگے لینے مزے غسل کے ان کی دیکھا دیکھی ہمارے ڈرائیور افتخار صاحب بھی تالاب میں کود پڑے اور لگے ٹھنڈے پانی سے حظ اٹھانے- اور ہم کہ اتنے زیادہ اور گہرے پانی کو دیکھ کر ہمارا نازک دل طرح طرح کی بدگمانیوں اور وساوس کا شکار ہو جاتا ہے اور اس بناء پر پانی کی ہمارے ساتھ کبھی دوستی نہ ہو سکی- کنارے پر کھڑے ہو کر ان کی تصویر کشی میں مشغول رہے کھانا کھایا اور پھر ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوا اب ہم کراچی جانے والی شاہراہ پر خانیوال اور ملتان کی جانب رواں دواں تھے ان دونوں شہروں کو بائی پاس کرتے ہوئے ہم دنیا پور سے گزرتے ہوئے لودھراں پہنچے جہاں جماعت کی ایک چھوٹی سے بیت ہے جہاں ہم نے نماز ادا کی- لودھراں پہلے ضلع ملتان میں شامل تھا اور اب ایک علیحدہ ضلع بنادیا گیا ہے-

لودھراں سے بہاولپور کا فاصلہ قریباً ۱۸ کلومیٹر ہے بہاولپور قیام پاکستان سے قبل ایک آزاد ریاست کی حیثیت رکھتا تھا جہاں نوابان عباسیہ حکمران تھے- یہ شہر قدیم اور جدید کا ایک حسین امتزاج اپنے اندر رکھتا ہے- جدید شہر کی گلیاں اور سڑکیں کھلی اور خوبصورت ہیں یہاں ایک میڈیکل کالج قائم ہے بہاولپور میں ہمارا قیام بیت میں رہا اور محترم اکرم وقار صاحب کے ہاں رہے- وہ ان دنوں اکیلے رہ رہے تھے ان کی اہلیہ کہیں گئی ہوئی تھیں لہذا راوی چین ہی چین لکھتا تھا چنانچہ ہم نے ان کے گھر کا خوب خوب فائدہ اٹھایا- ہمارے نہایت ہی پیارے دوست اور میزبان تنویر احمد ناصر صاحب بھی تھے جنہوں نے خوب خوب ہمارا ساتھ دیا-

بہاولپور میں رات گزارنے کے بعد ہمیں قلعہ ڈیراور جانا تھا- صحرائے چولستان کے کنارے آباد اس شہر کی رات اور خوشگوار تھی صحرا کی لطافتوں سے آشنا ہونے کے بعد ہم صبح پھر محو سفر ہوئے اس بار ہماری منزل قلعہ ڈیراور تھی- وہاں جانے کے لئے احمد پور شرقیہ سے منڈی یزمان جانے والی سڑک پر دائیں طرف سڑک سے ہٹ کر کوئی ۲۰ کلومیٹر سفر کرنا پڑتا ہے- صحرا کی زندگی بھی عجب ہوتی ہے کہیں خال خال آبادیاں اور پھر ریت کے ٹیلے- چولستان جسے روہی کہتے ہیں ایک ایسا صحرا ہے جہاں کبھی دریائے ہاکڑا گھاگھر ابہتا تھا اور یہ ایک آباد علاقہ تھا یہاں زندگی اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ سانس لیتی تھی اب یہ ایک صحرا ہے اس میں کہیں ایسی زمین بھی نظر آجاتی ہے جسے مقامی زبان میں ڈہر کہتے ہیں پختہ زمین ہے اور اس قدر مسطح کہ اس پر جہاز اتارا جاسکتا ہے- ہم ایک پختہ سڑک پر سفر کرتے ہوئے کچی سڑک پر آگئے اور پھر وہاں سے قلعہ ڈیراور کی طرف سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک دور دھند لکے میں ایک سیاہ رنگ کی پر ہیبت عمارت نظر آنے لگی یہ قلعہ ڈیراور تھا- اس قلعے میں ہم نے کئی گھنٹے گزارے صحرائے چولستان میں واقع یہ قلعہ قدیم ہندو تہذیب کے طرز تعمیر کا شاہکار ہے مدوبرج چھوٹی اینٹ کی تعمیر- ابتداء میں تمام تر تعمیر کچی اینٹوں سے کی گئی اور بیرونی دیوار کے باہر ایک پختہ دیوار تعمیر کی گئی قلعے کے اندر رہائشی عمارات فوج کی بیرکس اور توپیں رکھنے کے دمدمے بنائے گئے- قلعہ کے اندر ایک تہہ خانہ بنایا گیا ہے جس کے اندر ہوا کے آنے جانے کا بخوبی انتظام ہے جولائی کی تپتی دوپہر میں جب ہم اس تہہ خانے میں اترے تو اندر خاصی خنکی تھی- اس تہہ خانے تک جانے کے لئے ٹھیلہ استعمال ہوتا تھا جو ایک ریل پر چلتا تھا- نازک مزاج نوابان بہاولپور اس ٹھیلے پر بیٹھ کر تہہ خانے میں اتر جاتے اور صحراء کی تمازتوں کو

زمین نے کشادہ سینے کی خنکی سے بجھاتے - یہ تہہ خانہ نجانے کتنی ان کہی داستانوں کا امین ہے جو اس کے اندر ہی گھٹ کر مر گئی ہوں گی-

قلعے کے پہلو میں ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے جس کی تمام تر تعمیر دلی کی شاہی مسجد کے طرز پر ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مسجد سرخ ہے اور یہ مسجد سفید ہے اور سنگ سفید سے تعمیر کی گئی ہے- مسجد سے شرقی جانب خاندان نوابان بہاولپور کے مقابر ہیں-

ہم نے دوپہر قلعے کے ساتھ واقع مسجد میں گزاری یہاں ہمارے میزبانوں چوہدری مظفر احمد صاحب ایڈووکیٹ ڈاکٹر سہیل احمد صاحب تنویر احمد چٹھہ صاحب نے ہماری تواضع خوان یغما سے کی جس پر ان کی مہربانیوں سے نہایت عمدہ پلاؤ تھا- اور طرح طرح کے پھل تھے- جب ہم قلعے کی ویڈیو گرافی سے فارغ ہوئے تو شاہ خاور اپنا کام ختم کر کے اپنی منزل مقصود مغرب کی جانب تیزی سے سفر کر رہا تھا اور مویشی اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے جن کے گلوں میں بندھی گھنٹیوں کی مدھر آواز دل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی-

قلعہ ڈیراور سے ہم واپس بہاولپور آ گئے- چولستان جسے روہی بھی کہتے ہیں کسی زمانے میں خوبصورت ہرن Black Buck کی آماجگاہ تھا پھر انسان کی گوشت کھانے کی خواہش نے اس کو ناپید کر دیا اور روہی اپنے حسن کے اس سراہنے والے سے محروم ہو گئی پھر وہ وقت بھی آیا کہ انسان کو پھر اس حسین جانور کا خیال آیا اور ہالینڈ اور امریکہ سے اس کو درآمد کر کے پھر اس کی نسل کشی کی گئی- آج چولستان کے ایک کنارے پر بہاولنگر جانے والی سڑک پر چند کلومیٹر صحرا کے اندر خوبصورت نہر کے کنارے ایک پارک بنایا گیا ہے جسے لال سوہانرا نیشنل پارک کا نام دیا گیا ہے- جہاں سیاہ ہرن کی نسل کشی دوبارہ کی گئی ہے- اس پارک میں ہرن اب سینکڑوں کی تعداد میں دیکھا جا سکتا ہے- روہی کے اسی حصے میں ہم ایک ریسٹ ہاؤس بھی گئے جسے Whispering Hill کا نام دیا گیا ہے جہاں صحرا کے بیچوں بیچ ایک جھیل بنائی گئی جس میں کشتی بھی رواں ہوتی ہے اور موٹر بوٹ بھی-

کہتے ہیں کہ یہاں شام کے سمے پرندے لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں اور ان کے پروں کی آواز یوں محسوس ہوتی ہے گویا ہوا سرگوشیاں کر رہی ہو اس لئے اس کو یہ نام دیا گیا ہے Whispering Hill-

دوسرے سفر میں ہم ایک ایسے شہر میں گئے جو مدینۃ الاولیاء یعنی ولیوں کا شہر کہلاتا ہے یہ اوچشریف تھا احمد پور شرقیہ سے قریباً ۵۰ کلومیٹر غربی جانب- اوچ کے گردونواح میں کھجوروں کے باغات پھیلے ہوئے ہیں- صحرائی زمینوں پر سینہ تانے کھڑے کھجوروں کے یہ باغات جب سرخ کھجوروں سے لد جاتے ہیں تو روہی کی جان حضرت خواجہ غلام فرید کی یہ کافی مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے-

اچیاں لمیاں لال کھجوراں پتر دے ساوے
جس دے نال پریت لگی اوہ یار نظر نہ آوے

اوچ میں بی بی جوندی کے مزار اسلامی فن تعمیر کا ایک شاہکار بے حد خستگی کا شکار ہے ایک طرف سے مکمل طور پر گر چکا ہے اوچ کے نواح میں ایک گاؤں میں ہم نے ان نو مسلموں سے ملاقات کی جو حال ہی میں دین حق یعنی احمدیت کی آغوش میں آئے ہیں-

اوچ میں جماعت احمدیہ کے افراد کی ایک قلیل تعداد موجود ہے جو باوجود تھوڑے ہونے کے نہایت فعال اور علاقے بھر کی ہدایت کے لئے نہایت دردمندی سے کوشاں ہیں-

اوچ سے واپسی پر ہمیں ایک اور بستی میں جانے کا موقعہ ملا یہاں بھی ہندوؤں سے مسلمان ہونے والے متعدد افراد اور بچوں سے ملاقات ہوئی نو مسلم بچوں اور بڑوں کے منہ سے خدائے واحد کی توحید کا اقرار سن کر دل بے اختیار خدا کی حمد سے بھر گیا جس نے اپنے عاجز بندوں کو اس امر کی توفیق دی کہ وہ ان مشرکین کو خدا کا پیغام پہنچا کر انہیں محمد عربی ﷺ کی آغوش محبت میں لا ڈالیں-

ہمارا اگلا پڑاؤ ملتان تھا- ملتان پاکستان کا ایک ایسا قدیم شہر ہے جو ابتداء ہی سے مسلمانوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے-

اس سرزمین کو خدا کے مسیح و مہدی علیہ السلام اور اس

کے خلیفہ اول حضرت حکیم مولوی نورالدین نے اپنے قدموں سے برکت بخشی اور یہاں تشریف لاکر قیام فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب یہاں تشریف لائے تو مخدوموں کی حویلی میں قیام فرما ہوئے۔

ملتان کی خاک میں سلسلہ سہروردیہ کے نامور حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا اور حضرت شاہ رکن عالم قلعہ قاسم باغ میں مدفون ہیں جن کے ذریعے ابتداء میں یہاں اسلام کی روشنی پھیلی۔ ان کے عقیدت مند اب بھی ان کے مزاروں پر حاضری دیتے ہیں گو اب اس میں کئی شرکیہ رسوم اور عقائد شامل ہو چکے ہیں۔

ملتان سے روانہ ہو کر ہم واپس ربوہ آگئے اور اپنے شہر کی خوش رنگ اور دلپذیر فضا میں سکون پایا۔

واقفین نو کو قرآن کریم باترجمہ سکھانے کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں

حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"قاری دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اچھی تلاوت کرتے ہیں اور ان کی آواز میں ایک کشش پائی جاتی ہے اور تجوید کے لحاظ سے وہ درست ادائیگی کرتے ہیں لیکن محض پر کشش آواز سے تلاوت میں جان نہیں پڑا کرتی۔ ایسے قاری اگر قرآن کریم کے معنی نہ جانتے ہوں تو وہ تلاوت کا بت تو بنا دیتے ہیں تلاوت کے زندہ پیکر نہیں بنا سکتے۔ لیکن وہ قاری جو سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت کے اس مضمون کے نتیجہ میں ان کے دل پگھل رہے ہوتے ہیں' ان کے دل میں خدا کی محبت کے جذبات اٹھ رہے ہوتے ہیں ان کی تلاوت میں ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے جو اصل روح ہے تلاوت کی۔ تو ایسے گھروں میں جہاں واقفین زندگی ہیں وہاں تلاوت کے اس پہلو پر بہت زور دینا چاہئے۔ خواہ تھوڑا پڑھایا جائے لیکن ترجمہ کے ساتھ۔ مطالب کے بیان کے ساتھ پڑھایا جائے اور بچے کو یہ عادت ڈالی جائے کہ جو کچھ بھی وہ تلاوت کرتا ہے وہ سمجھ کر کرتا ہے۔ ایک تو روز مرہ کی صبح کی تلاوت ہے اس میں تو ہو سکتا ہے کہ بغیر سمجھ کے بھی ایک لمبے عرصہ تک آپ کو اسے قرآن کریم پڑھانا ہی ہو گا لیکن ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ سکھانے اور مطالب کی طرف متوجہ کرنے کا پروگرام بھی جاری رہنا چاہئے۔ نماز کی پابندی اور نماز کے جو لوازمات ہیں ان کے متعلق بچپن سے تعلیم دینا اور سکھانا یہ بھی جامعہ میں آکر سیکھنے والی باتیں نہیں۔ اس سے بہت پہلے گھروں میں بچوں کو اپنے ماں باپ کی تربیت کے نیچے یہ باتیں آجانی چاہئیں۔" (خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرمودہ ۱۰ جنوری ۱۹۸۹ء)

واقفین نو کی علمی بنیاد وسیع ہونی چاہئے

حضور فرماتے ہیں:۔

"واقفین بچوں کی علمی بنیاد وسیع ہونی چاہئے۔ عام طور پر دینی علماء میں یہی کمزوری دکھائی دیتی ہے کہ دین کے علم کے لحاظ سے تو ان کا علم کافی وسیع اور گہرا بھی ہوتا ہے لیکن دین کے دائرہ سے باہر دیگر دنیا کے دائروں میں وہ بالکل لاعلم ہوتے ہیں علم کی اس کمی نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ وہ وجوہات جو مذاہب کے زوال کا موجب بنتی ہیں ان میں سے یہ ایک بہت ہی اہم وجہ ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو اس سے سبق سیکھنا چاہئے اور علم کی وسیع بنیاد پر قائم دینی علم کو فروغ دینا چاہئے۔ یعنی پہلے بنیاد عام دنیاوی علم کی وسیع ہو پھر اس پر دینی علم کا پیوند لگے تو بہت ہی خوبصورت اور بابرکت ایک شجرہ طیبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے بچپن ہی سے ان واقفین بچوں کو جنرل نالج بڑھانے کی طرف متوجہ کرنا چاہئے۔ آپ خود متوجہ ہوں تو ان کا علم آپ ہی آپ بڑھے گا یعنی ماں باپ متوجہ ہوں اور بچوں کیلئے ایسے رسائل' ایسے اخبارات لگوایا کریں ایسی کتابیں پڑھنے کی ان کو عادت ڈالیں جس کے نتیجہ میں ان کا علم وسیع ہو اور جب وہ سکول میں جائیں تو ایسے مضامین کا انتخاب ہو جس سے سائنس کے متعلق بھی کچھ واقفیت ہو۔ عام دنیا کے جو آرٹس کے سیکولر مضامین ہیں مثلاً معیشت' اقتصادیات' فلسفہ' نفسیات' حساب تجارت وغیرہ ایسے جتنے بھی متفرق امور ہیں ان سب میں سے کچھ نہ کچھ علم بچے کو ضرور ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے کیونکہ سکولوں میں تو اتنا زیادہ انسان کے پاس اختیار نہیں ہوا کرتا یعنی بچہ پانچ مضمون' چھ مضمون' سات مضمون رکھ لے گا' بعض دس بھی رکھ لیتے ہیں لیکن اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے بچوں کو اپنے تدریسی مطالعہ کے علاوہ مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء)

روشن ستارے

حضرت منشی اروڑے خان صاحب

(مکرم محمد مقصود احمد منیب صاحب)

نام

حضرت منشی اروڑے خاں صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے جید رفقاء میں سے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا نام اپنی کتاب ازالہ اوہام میں "منشی محمد اروڑا صاحب" تحریر فرمایا ہے۔
(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۳۲)

پیدائش

آپ ۱۸۴۶ء میں کپور تھلہ میں پیدا ہوئے اور ۷۵ سال عمر پائی۔

تعلیم

اس زمانے کے مروجہ طریق کے مطابق آپ نے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ لیکن چھوٹی عمر میں ہی آپ کے والد صاحب نے آپ کو کام پر لگا دیا۔ آپ چوب کاری کا کام کرتے رہے۔ اسی دوران آپ کے والد صاحب کی وفات ہو گئی اور گھر میں چونکہ آپ سب سے بڑے تھے لہذا سارے کنبہ کا بوجھ آپ کے کندھوں پر آپڑا۔ اس وجہ سے آپ نے کچہری آنا جانا شروع کر دیا۔ اور ابتداء میں مذکوریا کا کام کرتے رہے۔ جس سے کچھ آمد ہو جاتی تھی۔ بعد ازاں آپ کو چپڑاسی اور پھر خوانده چپڑاسی کا کام ملا اور پھر اہلمد کے عہدے پر پہنچ گئے اور جس وقت حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا ذکر "ازالہ اوہام" میں فرمایا اس وقت آپ نقشہ نویس کا کام کر رہے تھے۔ اس کام میں آپ کی قابلیت بہت مسلم تھی۔ حکام اکثر آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ کو "سررشتہ دار" مقرر کر دیا گیا۔ اپنی دیانت، محنت اور لگن سے آپ نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار کے عہدے پر پہنچے اور جب آپ کو پنشن ہوئی تو آپ تحصیل بھنگوال ریاست کپور تھلہ میں تحصیل دار تھے۔ ۱۹۱۴ء میں پنشن لی اور ۱۹۱۵ء میں قادیان آگئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پنشن میں سے ایک حصہ اپنے لئے رکھ کر باقی سارے کا سارا مال سلسلہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

حلیہ

گوری رنگت، درمیانے قد، گول اور چوڑے چہرے، بڑے سر اور کشادہ پیشانی کے ساتھ ساتھ بڑی اور خوبصورت آنکھیں اور لمبی سیدھی خوبصورت ناک والے حضرت منشی صاحب خوب صحت مند جسم رکھتے تھے۔

لباس

کچہری وغیرہ کے زمانے میں آپ اعلیٰ لباس زیب تن کرتے تھے۔ لیکن قادیان آنے کے بعد آپ کا بہت ہی سادہ لباس ہوتا تھا۔ گرمیوں میں سر پر ٹوپی، لنگی اور کرتہ اور سردی میں سر پر لنگی، گرم کوٹ، گرم پاجامہ اور ایک سوٹی رکھتے تھے۔

حضور سے پہلی ملاقات

آپ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلی ملاقات ۱۸۸۴ء کے بعد ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت اقدسؑ بٹالہ میں مقیم تھے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اول زندہ تھے اور ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی جب عیسائیوں کی طرف سے اشتہار شائع ہوا کہ اگر آپ ملہم ہیں تو پھر ہم لفافہ میں کچھ لکھ کر رکھیں۔ آپ بتا دیں جس کے مقابل پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ "ہمارا خدا قادر ہے کہ وہ خفیہ تحریر کو اپنے بندہ کو بتلا دے لیکن جب کچھ مضمون بتلا دیں تو آپ کو ایمان لانا ہو گا"

حضرت منشی صاحب کا بیان ہے کہ:-

"ہم لوگ بڑے مذہبی تھے اور مولویوں کو بلا کر وعظ کروایا کرتے تھے لیکن ایسا شخص جو اسلامی اصول کی صداقت کے اثبات کیلئے

سینہ تان کر دشمن کے مقابل میں آئے اور کہے کہ میں ثبوت دیتا ہوں کوئی نہیں تھا اور اسی بات نے ہمارے دل پر اثر کیا۔"

حضرت اقدس نے ۱۸۸۸ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ سے عام بیعت، کا اعلان کیا۔ حضرت صاحب قادیان سے لدھیانہ تشریف لے گئے وہاں سے حضرت صاحب نے مارچ ۱۸۸۹ء میں ایک اشتہار دیا جس میں بیعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی تھی اور لدھیانہ پہنچنے کی تاکید کی تھی۔ حضرت منشی اروڑا خاں صاحب، حضرت منشی ظفر احمد صاحب اور حضرت منشی محمد خاں صاحب بیعت کے لئے چلے گئے۔ حضرت منشی اروڑا خاں صاحب نے گیارہویں نمبر پر بیعت کی اور اپنی ڈیوٹی پر واپس چلے گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا ذکر ازالہ اوہام میں بھی فرمایا ہے آپ نے لکھا کہ:۔

"حبی فی اللہ منشی محمد اروڑا نقشہ نویس مجسٹریٹی منشی صاحب محبت اور خلوص اور ارادت میں زندہ دل ہیں۔ سچائی کے عاشق اور سچائی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں۔ خدمات کو نہایت نشاط سے بجا لاتے ہیں بلکہ وہ تو دن رات اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی خدمت مجھ سے صادر ہو جائے۔ عجیب منشرح الصدر اور جانثار آدمی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو عاجز سے ایک نسبت عشق ہے۔ شاید ان کو اس سے بڑھ کر کسی اور بات میں خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اپنی طاقتوں اور اپنے مال اور اپنے وجود کی ہر یک توفیق سے کوئی خدمت بجا لاویں اور دل و جان سے وفادار اور مستقیم الاحوال اور بہادر آدمی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر بخشے۔ آمین۔ (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵۳۲)

جب ریاست کی طرف سے آپ کی خدمات کے عوض آپ کو خاں صاحب کا خطاب ملا تو کہنے لگے دیکھو خدا نے اس (حضرت اقدس مسیح موعودؑ) کی باتوں کو کیسا سچ کیا ہے۔ اس نے میرے متعلق لکھا کہ سچائی کے کاموں کے کرنے میں یہ شخص بہادر ہے۔ اب بہادر پٹھان ہوتے ہیں۔ میں ذات کا "چھینبا" (دھوبی) اس کی بات کو سچ ثابت کرنے کیلئے خدا نے مجھے خاں صاحب کا خطاب دلوایا ہے۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

جب حضرت منشی صاحب سے پوچھا گیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ مسیح موعودؑ سے آپ کو گھبراہٹ تو نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ گھبراہٹ تو ان کو ہوتی جنہوں نے اس کو دیکھا نہ تھا ہم نے تو ان کو دیکھا تھا پھر کیوں گھبراتے اس کے منہ نے ہمیں بتایا کہ وہ سچا ہے اور جو کہتا ہے حق کہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر ایک ابتلاء کے وقت خدا نے ہمارے قدم کو مضبوط رکھا۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

آپ کا پختہ ایمان

ایک دفعہ ایک جلسہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے حضرت صاحب کے خلاف تقریر کی اور احمدیت کے خلاف بہت دلائل دیئے۔ جب منشی صاحب کے دوست نے آپ سے کہا کہ اس کا جواب دیں تو کہنے لگے کہ میں نے مرزا صاحب کی شکل دیکھی ہوئی ہے وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۵)

مسٹر والٹر جو آل انڈیا وائی ایم سی اے کے سیکرٹری تھے۔ جب ۱۹۱۶ء میں قادیان آئے تو انہوں نے یہ خواہش کی کہ مجھے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کسی پرانے رفیق سے ملوایا جائے تو ان کی ملاقات حضرت منشی صاحب سے کروائی گئی۔ مسٹر والٹر نے آپ سے جب یہ سوال کیا کہ آپ پر مرزا صاحب کی صداقت کی کس دلیل نے اثر کیا؟ تو منشی صاحب نے کہا کہ میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں اور زیادہ علمی دلیلیں نہیں جانتا مگر مجھ پر جس بات نے زیادہ اثر کیا وہ حضرت صاحب کی ذات تھی۔ جس سے زیادہ سچا اور زیادہ دیانت دار اور خدا پر ایمان رکھنے والا شخص میں نے نہیں دیکھا۔ انہیں دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ باقی میں تو اس کے منہ کا بھوکا تھا۔ مجھے زیادہ دلیلوں کا علم نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ حضرت مسیح موعودؑ کی یاد میں اس قدر بے چین ہو گئے کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ پڑے اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اس وقت مسٹر

والٹر کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ان کے چہرے کا رنگ بالکل سفید ہو گیا اور بعد میں انہوں نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب Ahmadiyya Movement میں کیا۔
(الفضل ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء)

بچوں سے محبت

حضرت منشی صاحب اکثر قادیان آیا کرتے تھے۔ جب آپ قادیان آتے تو فوری طور پر حضرت صاحب کو اطلاع دیتے تھے۔ بچوں کو بلاتے اور خاص طور پر جب آپ قادیان آتے تو بچوں میں ایک شور پڑ جاتا تھا کہ منشی صاحب آ گئے۔ منشی صاحب آ گئے۔ آپ بھی اکثر صاحبزادگان کو قاصد بنا کر بھیجا کرتے تھے اور میاں غلام حسین صاحب رہتاسی کا بیان ہے کہ جب آپ قادیان آتے تو بٹالہ سے ہی پیسے تڑوا کر لے آتے اور بچوں میں تقسیم کرتے۔ ایک مرتبہ آپ آئے تو حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو قاصد بنا کر بھیجا تو میاں صاحب حضرت صاحب کا دامن پکڑ کر باہر لے آئے اس پر حضرت صاحب نے ہنس کر فرمایا۔ "منشی جی! آپ کے پیارے بڑے سخت ہیں۔" (الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت صاحب اور قادیان کی طرف

میلان

حضرت منشی صاحب اکثر اوقات قادیان آتے۔ یکہ سے اتر کر حضرت صاحب سے ملاقات کرتے اور کسی سے نہ ملتے اور واپس چلے جاتے۔ حضرت صاحب فرماتے منشی صاحب اتنی جلدی! آپ عرض کرتے حضرت! بس زیارت کیلئے آیا تھا۔ اس پر حضرت صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے کہ:۔

در حقیقت بس است یار یکے
دل یکے جاں یکے نگار یکے

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت منشی صاحب کو جب کبھی بھی فرصت ملتی قادیان کی طرف دوڑ پڑتے۔ سید عزیز الرحمٰن بریلوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کپور تھلہ میں ملازمت کے دوران جب کبھی چھٹی ملتی ایک آدھ دن کی۔ یا رقم پاس آتی تو کہنے لگتے! ابھی تمہارا نشہ نہیں اترا ہم میں سے اگر کوئی کہتا کہ ابھی ہاتھ تنگ ہے تو بہت خفا ہوتے اور کہتے کہ فوراً میرے سامنے سے چلے جاؤ۔

حضرت منشی صاحب جب قادیان آتے تو نئے نئے راستوں سے آتے اور ہر دفعہ نیا تحفہ لے کر آتے۔ جب آپ قادیان آتے تو "بیت الذکر" میں اس جگہ کپڑا رکھ دیتے جہاں سے آپ حضرت مسیح موعودؑ کے قریب بیٹھ سکیں۔ نماز ختم ہوتی تو حضرت صاحب کے پاؤں سے لپٹ جاتے۔ حضرت صاحب آپ کو دیکھتے ہی اپنے پاؤں آگے کر دیتے اور آپ پاؤں نرمی سے دباتے رہتے۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۱۹ء)

حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ سفر میں

حضرت اقدس کے تمام سفروں میں سوائے دو تین سفروں کے حضرت منشی صاحب آپ کے ساتھ رہے ایک سفر جہلم اور دوسرے لاہور کے آخری سفر میں آپ شریک نہیں تھے۔

دہلی کے سفر کے بارے میں آپ بیان کرتے ہیں کہ ہم ہی حضرت اقدس کے قاصد ہوئے تھے۔ جو خط لیکر مولوی نذیر حسین دہلوی کے پاس جاتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ سے عشق

ایک دفعہ حضرت منشی صاحب نے اپنے مجسٹریٹ سے کہا کہ میں قادیان جانا چاہتا ہوں مجھے رخصت دے دیں۔ اس وقت آپ سیشن جج کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ آپ نے کہا قادیان ضرور جانا ہے اس لئے چھٹی دے دیں۔ وہ کہنے لگے کام بہت ہے اس وقت چھٹی نہیں مل سکتی۔ حضرت منشی صاحب نے فرمایا بہت اچھا آپ کا کام ہوتا رہے گا۔ میں تو آج ہی

بددعا کرنے لگا ہوں۔ اگر آپ نہیں جانے دیتے تو نہ جانے دیں آخر اس مجسٹریٹ کو کوئی ایسا نقصان پہنچا کہ وہ سخت ڈر گیا۔ اور جب بھی ہفتہ کا دن آتا وہ عدالت والوں سے کہتا' آج ذرا کام جلدی بند کر دینا کیونکہ منشی صاحب کی گاڑی نہ نکل جائے اس طرح جب بھی آپ نے قادیان آنا ہوتا وہ مجسٹریٹ آپ کو رخصت دے دیتا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ یہ عشق حضور کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ بلکہ اس قدر بڑھا کہ اسی بستی کے ہو کر رہ گئے۔ اور پھر وہیں دفن ہوئے۔

حضرت منشی صاحب کے اس عشقِ مسیح موعودؑ کے بارے میں حضرت مصلح موعود نے فرمایا کہ:۔

"مجھے وہ نظارہ نہیں بھول سکتا کہ حضرت مسیح موعود کی وفات پر ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ایک دن باہر سے مجھے کسی نے آواز دے کر بلوایا اور خادمہ یا بچہ نے بتایا کہ دروازے پر ایک آدمی کھڑا ہے جو آپ کو بلاتا ہے۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ منشی اروڑے خاں صاحب کھڑے تھے۔ وہ بڑے تپاک سے آگے بڑھے۔ مجھ سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے اپنی جیب سے دو یا تین پاؤنڈ نکالے اور مجھے کہا کہ یہ حضرت اماں جان کو دے دیں۔ اور یہ کہتے ہوئے ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ اور ان کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کسی بکرے کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ میں کچھ حیران ہو گیا کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ میں خاموش رہا جب آپ کو صبر آیا تو میں نے کہا آپ کیوں روئے تو کہنے لگے میں غریب آدمی تھا۔ مگر جب چھٹی ملتی' میں قادیان آنے کیلئے چل پڑتا۔ سفر کا بہت سا حصہ پیدل طے کرتا تا کہ سلسلہ کی خدمت کیلئے کچھ پیسے بچ جائیں۔ مگر پھر بھی روپیہ' ڈیڑھ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ یہاں آکر امراء کو دیکھتا کہ وہ سلسلہ کی خدمت کیلئے بڑا روپیہ خرچ کر رہے ہیں تو میرے دل میں بھی خیال آتا کہ کاش میرے پاس روپیہ ہو تو میں حضرت صاحب کی خدمت میں بجائے چاندی کے سونے کا تحفہ پیش کروں۔ آخر میری تنخواہ کچھ زیادہ ہو گئی اور میں نے ہر مہینے بچت کرنی شروع کر دی اور میں نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ جب یہ رقم اتنی ہو جائے گی جو میں چاہتا ہوں تو میں اسے پاؤنڈز میں تبدیل کر کے پیش کرونگا۔ جب میرے پاس ایک پاؤنڈ کے برابر رقم ہو گئی تو وہ رقم دیکر ایک پاؤنڈ لے لیا۔ پھر دوسرے پاؤنڈ کے لئے رقم جمع کرنی شروع کر دی۔ اس طرح آہستہ آہستہ رقم جمع کر کے اسے پاؤنڈوں میں تبدیل کرا لیا۔ میرا منشاء یہ تھا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں یہ رقم پیش کروں گا۔ مگر جب میرے دل کی خواہش پوری ہوئی اور میرے پاس پاؤنڈ جمع ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔"

اس واقعہ سے جہاں حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کے عشق کا پتہ چلتا ہے وہاں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے جذبہ کا بھی علم ہوتا ہے۔

بیماری اور وفات

قادیان میں آنے کے بعد ۱۹۱۶ء میں آپ بیمار ہو گئے۔ دیار حبیب میں ہی دفن ہونا چاہتے تھے۔ ایک دن بہشتی مقبرہ کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کہ میری سب خواہشیں پوری ہو گئی ہیں۔ اب ایک خواہش ہے کہ یہ جسد خاکی بھی اس جگہ (بہشتی مقبرہ) دفن ہو۔

وفات سے قبل جمعرات کے روز مغرب کی نماز بیت مبارک میں پڑھی اور پھر حالت غیر ہو گئی۔ اگلے روز جمعہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی' حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کے ساتھ گئے۔ نبض دیکھی گئی' چمچ سے دودھ پلایا گیا۔ بخار کا زور تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حضرت مصلح موعود عصر کی نماز تک وہیں رہے۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کا خیال تھا کہ دماغ کی شریان پھٹ گئی ہے۔

رات ساڑھے بارہ بجے تک حضرت ڈاکٹر رشید الدین صاحب' مولوی عطا محمد صاحب کمپوڈر کو چھوڑ کر گھر چلے گئے اور ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد اس عاشقِ مسیح کی رُوح جسدِ عنصری سے پرواز کر

بقیہ صفحہ 30 پر

دل اور خون کی نالیوں کی صحت مندی

(مکرم راجہ برہان احمد صاحب طالع)

موجودہ دور میں جب کہ انسانی زندگی انتہائی مصروف اور مشینی ہے۔ اپنی صحت کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ ویسے تو ہر کسی کی خواہش ہوتی ہی ہے کہ وہ صحت مند رہے۔ لیکن دیگر مصروفیات عزم کی کمی اور تن آسانئی اکثر کو ایسا اقدام کرنے سے روکے رکھتی ہے جو ایک صحت مند انسان کیلئے ضروری ہے۔ صحت مندی کی تین اقسام ہیں۔

1۔ Muscular یعنی عضلات پٹھوں اور اعصاب کی صحت مندی

2۔ Skeletal یعنی ڈھانچے کی لچک کی صحت مندی

3۔ Cardiovascular یعنی دل اور خون کی نالیوں کی صحت مندی

⦿ جہاں تک پہلی قسم کی صحت مندی کا تعلق ہے تو وہ معمولی اٹھک بیٹھک اور جسم کو گھمانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسری قسم کیلئے مختلف قسم کے جھکنے، موڑنے اور کھینچنے والی ورزشیں مفید رہتی ہیں، لیکن دراصل یہاں ہم تیسری قسم کی صحت مندی کے بارے میں بات کریں گے جس کا براہ راست تعلق قلب نازک کے نظام سے ہے۔ تیسری قسم کی صحت یعنی دل، شریانوں اور ان میں دوڑنے والے خون کی صحت مندی سب سے اہم ہے، کیونکہ انکی کمزوری چھپی رہتی ہے۔ اس قسم کی صحت مندی کیلئے جو ورزشیں کی جاتی ہیں ان کو Aerobic کہتے ہیں۔ یہ ورزشیں آکسیجن کا حصول اور اسے جسم کے عضلات، جلد، خلیوں اور پھیپھڑوں کے ذریعے خون میں پہنچانے کے کام کو زیادہ بہتر کرنے میں مد اور مفید ہوتی ہیں۔ ان میں زیادہ قوت کے ساتھ سانس لیا جاتا ہے۔ دل نسبتاً تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ ان افعال سے چھاتی کے عضلات مزید مضبوط ہوتے ہیں اور پھیپھڑے کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ دل زیادہ مضبوط ہونا شروع ہوتا ہے۔ مزید براں خون کی نالیوں کی تعداد اور سائز میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ بات شریانوں کے خطرناک سخت ہونے اور ہائی بلڈ پریشر یا دل کی کسی مرض سے بچانے کا موجب ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ فائدہ ہوتا ہے کہ زیادہ آکسیجن ملنے کے نتیجہ میں جسم کا ذرہ ذرہ اور خلیوں کا سلسلہ بہتر صحت کا حامل ہو جاتا ہے جسم کی رنگت بھی نکھرتی ہے۔ Aerobic ورزشوں میں تیز قدمی، جاگنگ، سائیکل چلانا، دوڑ اور تیراکی وغیرہ شامل ہیں۔

صحت مندی کا مقصد زندگی کا بھرپور لطف اٹھانا ہے۔ اس غرض کیلئے مناسب ورزش کا اہتمام ضروری ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے مزاج اور عمر کے اعتبار سے موزوں ورزش کا انتخاب کرے۔ اس مختصر دل کی صحت مندی کے بارے میں مضمون کو ختم کرنے سے پہلے چند معلومات دل سے تعلق رکھنے والی عام بیماری بلڈ پریشر کے بارے میں کچھ عرض کر دوں۔ بلڈ پریشر کا مرض کیا ہے اور اس سے بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ بلڈ پریشر اگر مستقلاً زیادہ رہے اور اس میں کمی نہ آجائے تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہے۔ بلڈ پریشر سے خون کی نالیوں پہ دباؤ پڑتا ہے۔ بلڈ پریشر کوئی ایمر جنسی بیماری نہیں ہے اور انسان کو اس کا سن کر فوری طور پر اپنے اوپر خوف طاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسانی جسم میں بے شمار خون کی نالیاں ہیں اور بعض نالیاں پیدائشی طور پر کمزور ہوتی ہیں۔ جب خون کا دباؤ بڑھتا ہے تو بعض اوقات خون کی یہ کمزور نالیاں یا تو

پھٹ جاتی ہیں یا لیک کر جاتی ہیں اور اگر دماغ کے اندر کوئی کمزور نالی ہو تو وہ پھٹ جائے تو اس سے کافی پیچیدگیاں حتی کہ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر بلڈ پریشر انسان کو کافی عرصہ رہے تو پھر خون کی نالیوں میں گڑبڑ شروع ہو جاتی ہے اور جسم کے اعضاء کو جب مناسب مقدار میں خون اور آکسیجن نہیں ملتی تو پھر کافی پیچیدگیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ بلڈ پریشر کو ہائی کرنے کی کسی جسمانی خرابی کا ڈاکٹر کو پتہ چل جائے تو پھر ڈاکٹر بہت حد تک اس بلڈ پریشر کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ باہر کے ممالک میں پرائیویٹ طور پر بلڈ پریشر کی وجوہات معلوم کرنے کیلئے جو ٹیسٹ کئے جاتے ہیں ان پر بڑی لاگت آتی ہے۔

الغرض دل جو انسانی جسم کے چند اہم اجزاء میں سے اہم ترین ہے اور جس کی کمزوری یا بیماری ہمیں کسی بھی بڑے مالی یا دوسرے نقصان کا شکار کر سکتی ہے مختلف ہلکی پھلکی ورزش کے تحت اس کی حفاظت کریں۔

ماخذ:۔

The Human Body The world Book Encyclopedia of Science Volume VIII

بقیہ از صفحہ 28

کے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئی۔

ہفتہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء کے روز آپ کو حضرت اماں جان کے ایک مکان کے احاطہ میں شیخ محمد صاحب پوسٹ مین نے غسل دیا۔ حضرت مصلح موعود نے بعد از نماز عصر نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جنازے کو کندھا بھی دیا۔ حضرت منشی صاحب کی قبر حضرت مصلح موعود کے ارشاد کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کی قبر کے نزدیک تیار کروائی گئی۔ جو آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرتا چلا جائے۔ آمین ثم آمین

کیوں مصیبت میں کہوں تجھ سے محبت نہ رہے
وہ محبت ہی نہیں جس میں مصیبت نہ رہے
کس لئے مانگ نہ لوں تیری رضا ہی تجھ سے
تا کہ پھر مانگنے کی مجھ کو ضرورت نہ رہے

شعرائے احمدیت

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رامپوری

(مضمون نگار مکرم راشد متین احمد صاحب۔ ربوہ)

ولادت و خاندانی حالات

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر ۱۸۶۹ء میں رام پور میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عبد العلی اور والدہ کا نام آبادی بانو تھا جو بعد میں "بی اماں" کے نام سے مشہور ہوئیں آپ پانچ بھائی اور ایک بہن میں دوسرے نمبر پر تھے۔

آپ کا تعلق اک خوشحال گھرانے سے تھا جس کو بعد میں آپ کے چھوٹے بھائیوں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کی وجہ سے بہت شہرت حاصل ہوئی۔

جب آپ کی عمر گیارہ برس کی ہوئی تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا لیکن آپ کی جوان العمر والدہ نے انتہائی تنگی و ترشی کے حالات میں بھی اپنے بچوں کی حتی الوسع بہترین تعلیم و تربیت کی کوشش کی۔

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر نے مختلف وقتوں میں چار شادیاں کیں۔ آپکی اولاد دو درجن کے قریب ہوئی لیکن بعض کم عمری میں ہی وفات پا گئے۔ ۱۹۲۰ء میں جب ہجرت کر کے قادیان آئے تو آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ حضرت مولانا عبد المالک خان صاحب ان میں سے ایک تھے۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم بریلی سے حاصل کی۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ علی گڑھ آ گئے اور یہاں سے ایف۔اے تک تعلیم پائی۔ اس وقت تک مالی حالات بہتر نہ رہے تھے لہذا آپکو تعلیم کا سلسلہ چھوڑنا پڑا اور ملازمت اختیار کر لی اسطرح چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم کی راہ ہموار ہو گئی۔

ملازمت

۹۵-۱۸۹۴ء میں آپ نے سرکار انگریزی کی ملازمت کی اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے بڑی دیانت داری اور تقویٰ سے اپنے فرائض انجام دیئے آپ محکمہ آبکاری میں افسر اعلیٰ کے طور پر ۱۹۱۸ء تک فائز رہے۔

والی ریاست پر آپ کے تقویٰ، پاکبازی اور دیانت داری کا بڑا اثر تھا۔ اپنی حسن کارکردگی اور خاندانی وجاہت کے باعث آپ نواب صاحب کے درباریوں اور مقربین میں شامل رہے۔ اگر کسی وقت دربار میں حاضر نہ ہوتے تو نواب بسا اوقات انہیں گھر سے بلا بھیجتے اور ہمیشہ بڑی عزت سے پیش آتے۔

قبول احمدیت

آپ ابتداء ہی سے ادبی ذوق رکھتے تھے اور شعر و شاعری سے آپ کو دلچسپی تھی۔ اس لئے شاعروں اور اخبار نویسوں سے آپ کی ملاقات رہتی تھی۔ ایک دن حضرت مسیح موعود کا خط بنام الیگزنڈر رسل ویب سفیر امریکہ متعینہ فلپائن اخبار "ریاض الاخبار" میں شائع ہوا جسکو پڑھتے ہی آپ نے سمجھ لیا کہ جو آنے والا تھا وہ آ گیا۔

آپ کا اپنا بیان ہے کہ "اس اخبار کو پڑھ کر میرے دل نے آپ کی تصدیق کی اور میں نے اپنے بھائی نوازش علی اور ایک صاحب کو جو اس وقت وہاں تھے گواہ ٹھہراتے ہوئے کہا کہ اس زمانہ کا مصلح جو آنیوالا تھا وہ آگیا ہے۔ اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔"

اس کے بعد ۱۸۹۲ء میں آپ کی ملاقات مولوی تفضّل حسین صاحب اٹاوی سے ہوئی اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مرید ہیں تو آپ نے فرط عقیدت سے انکا ہاتھ چوم لیا۔ ۱۹۰۰ء تک حضرت صاحب کے دعویٰ مسیحیت کا آپکو علم نہ ہوا۔ پھر جب آپ کا تقرر بطور نائب تحصیلدار موضع بھوگاؤں میں تین ماہ کے واسطے ہوا تو وہاں پر تحصیلدار تفضّل حسین صاحب تھے۔

میل ملاپ کے دوران انہوں نے آپ کو حضرت صاحب کی کتاب "ازالہ اوہام" مطالعہ کے لئے دی تب آپ کو حضور کے دعاوی اور انکے دلائل کا تفصیلی علم ہوا اور آپ نے فوراً بیعت کا خط حضور کی خدمت میں ارسال کیا

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے پہلی ملاقات

مئی ۱۹۰۴ء میں آپ حضور سے ملاقات کے واسطے قادیان کی طرف روانہ ہوئے لیکن بٹالہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضور ایک مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے ہیں۔

چنانچہ آپ گورداسپور کی طرف چلے گئے اور سیدھا کچہری کا رخ کیا۔ اگرچہ حضور نے آپ کو پہلے نہ دیکھا تھا مگر آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تحصیلدار صاحب ہیں اور اسی نام سے مخاطب ہوئے۔ (یہ ایک عجیب بات تھی کہ جب آپ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نائب تحصیلدار تھے لیکن حضور ہمیشہ آپ کو تحصیلدار کہہ کر مخاطب ہوئے۔ اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ بعد میں آپ تحصیلدار ہو گئے اور پھر بعد ازاں اسسٹنٹ کمشنری کی منظوری بھی آئی مگر نواب صاحب رامپور کے بلانے پر وہاں منتقل ہو گئے اور اسطرح تحصیلداری سے آگے نہ بڑھ سکے)۔

آپ ۲۴ دن حضور کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور بہت سے تائیدِ الٰہی کے نشانات دیکھے جو آپ کے واسطے اِزدیادِ ایمان کا موجب ہوئے، جب رخصت ختم ہونے لگی اور شام کی گاڑی سے روانگی ٹھہری تو حضور سے اجازت لینے کی ہمت نہ تھی، غم سے نڈھال اور منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ حضور بیت الدعا سے نکل کر صحن میں موجود دیگر احباب کیساتھ تشریف فرما ہو گئے۔ باوجود کوشش کے جب آپ کچھ نہ کہہ سکے تو بے اختیار آنسو چھلک پڑے اور سسکیاں لینے لگے۔ حضور نے بڑی شفقت سے دیر تک آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا: - "آپ گھبرائیں نہیں میں آپکے لئے دعا کرتا رہوں گا خدا آپکے ساتھ ہو" آپ نے اسی حالت گریہ میں واپسی کی اجازت طلب کی، فرمایا۔ "بے شک جایئے مجھے خط لکھتے رہا کریں میں دعا کروں گا"

آپ کا بیان ہے کہ "جب حضور میرے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے سر سے مصیبتوں کے پہاڑ دور ہو رہے ہیں اور دل کو اس درجہ ٹھنڈک پہنچتی تھی کہ لفظوں میں اسکا اظہار نہیں کر سکتا۔"

ترک ملازمت

قبول احمدیت اور نواب صاحب کی قربت کے باعث ریاست کے اکثر عمائدین آپ سے حسد کرتے تھے اور درپردہ مخالفت پر آمادہ رہتے اور طرح طرح کی سازشوں کے جال بنتے رہتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کہہ دیا کہ میں احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ تو آپ نے اسکو قادیان جانیکا مشورہ دیا۔ اس نے اپنی مالی تنگدستی کا دردناک رنگ میں اظہار کیا تو آپ نے کچھ رقم بطور امداد کے دی اور ایک کتاب بھی پڑھنے کو دی۔ اس نے وہ رقم اور

کتاب نواب صاحب تک یہ کہہ کر بھجوادی کہ یہ مجھے روپیہ دے کر قادیانی بنانا چاہتے ہیں۔

اس شکایت پر مقدمہ چلا لیکن بفضلہ تعالیٰ بری ہو گئے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد آپ ریاست کی نوکری سے دل برداشتہ ہو گئے اور استعفیٰ دے کر پھر سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال تک بجنور میں متعین رہے۔ مگر بادل نخواستہ 'ایسی ملازمتوں سے دل بھر چکا تھا اور یہ خیال دل میں مستحکم ہو گیا تھا کہ بقیہ عمر دین کی خدمت میں صرف کرنی چاہئے۔

ہجرت اور خدمت سلسلہ

۱۹۱۸ء میں جب حضرت مصلح موعود نے زندگی وقف کرنیکی تحریک فرمائی تو آپ نے فوراً اپنا نام پیش کر دیا اور پھر ۱۹۲۰ء میں پنشن لیکر اور دنیوی عیش و آرام کو ترک کر کے قادیان کی چھوٹی سی بستی میں دُھونی رما کر بیٹھ گئے اور فقیرانہ زندگی کو اختیار کر لیا۔ جو خدمت بھی سپرد کی گئی اسکی سر انجام دہی کو اپنے متعلقین کے لئے باعث برکت سمجھا۔ کئی سال ناظر امور عامہ رہے اور بعد ازاں ناظر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اسی دوران ۱۹۳۰ء میں نواب رضا علی خان والئی ریاست رامپور نے آپ کی خدمت سے استفادہ کرنیکی خواہش ظاہر کی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں مراسلہ بھیجا تو حضور کی اجازت سے ۵ سال رام پور میں گزارے۔

جب آپ اگست ۱۹۳۰ء میں حضور کی اجازت سے رام پور جانے لگے تو ناظر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا۔

"............ میں خان صاحب کی ان خدمات سلسلہ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو انہوں نے دس سال باوجود پیرانہ سالی کے ادا کیں۔ ۱۹۱۸ء میں جبکہ میں نے وقف زندگی کا اعلان کیا تھا چوہدری نصر اللہ خانصاحب مرحوم و مغفور اور خانصاحب دونوں نے اپنی زندگی وقف کی تھی .... خانصاحب نے بھی نہایت عسرت سے گذارہ کر کے جس اخلاص سے کام کیا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسکی قدر کریگا اور انکی یہ قربانی ضائع نہیں جائیگی۔ اب وہ میری اجازت اور میری منشاء کے مطابق رام پور جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں وہاں بھی سلسلہ کی خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔"

(بحوالہ الفضل ۲۱ اگست ۱۹۳۰ء)

لیکن آپ کا دل رام پور میں نہ لگتا تھا۔ اس لئے ۵ برس بعد استعفیٰ دے کر پھر مرکز سلسلہ میں آبیٹھے۔ حضور نے تحریک جدید میں نظامت جائیداد اور تجارت کا کام سپرد کیا جو آپ نے تقسیم ملک تک انجام دیا۔ سلسلہ کی خدمات کے دوران آپ کو کئی مرتبہ اہم جماعتی وفود میں شمولیت کی عزت بھی حاصل ہوئی مثال کے طور پر :۔

۱ :۔ جون ۱۹۲۱ء میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے ملاقات
(بحوالہ الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۲۱ء)

۲ :۔ فروری ۱۹۲۲ء میں شہزادہ ویلز کو تحفہ پیش کرنے کے لئے
(بحوالہ الفضل ۷ ۲ فروری ۱۹۲۲ء)

۳ :۔ مئی ۱۹۲۴ء، دسمبر ۱۹۲۷ء اور فروری ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے

۴ :۔ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شمولیت کے لئے اور مارچ ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن سے ملاقات کے لئے۔ جو نمائندہ وفود جماعت کی طرف سے بھیجے گئے ان میں سے آپ بھی ایک رکن کی حیثیت سے شامل تھے۔

پاکستان آمد اور وفات

تقسیم ملک کے بعد آپ لاہور پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، حکومت کی طرف سے آپ کو ایرمال پر ایک کوٹھی الاٹ ہوئی اس وقت اسی (۸۰) برس کے لگ بھگ عمر تھی، گھٹنوں میں درد رہتا، اوپر کا جسم بھاری ہونیکی وجہ سے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا بیشتر وقت لیٹے رہتے جسکی وجہ سے نظام ہضم بگڑ گیا، نقاہت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ

آخری وقت آگیا اور ۲۴ فروری ۱۹۵۴ء کو بعمر ۸۶ سال مولائے حقیقی سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مصلح موعود نے رتن باغ لاہور میں جنازہ پڑھایا۔بعد میں آپکی میت کو ربوہ لے جاکر بہشتی مقبرہ قطعہ رفقاء میں سپرد خاک کردیا گیا۔ آپ اولین موصیوں میں سے تھے اور آپکا وصیت نمبر ۷۵ تھا۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

شاعری

آپ نواب فصیح الملک داغ دہلوی کے اولین شاگردوں میں سے تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے اپنے ایک مکتوب بنام عبد الماجد صاحب دریاآبادی میں لکھا

"میرے حقیقی بھائی ذوالفقار روزانہ داغ کے گھر جاتے اور مجھے بھی لے جاتے تھے"

آپکو اپنے استاد سے بڑی عقیدت تھی اور بعد میں ان سے خط و کتابت بھی رکھی۔ احمدیت سے قبل آپکی شاعری کا وہی رنگ تھا جو اس دور کے دوسرے شعراء کا تھا آپ کے کلام میں غزلوں کے علاوہ مسلمانوں کی زبوں حالی، سرسید احمد خان کی تعلیمی سرگرمیوں، اور علیگڑھ کالج کی تعریف کے متعلق نظمیں ملتی ہیں، لیکن قبول احمدیت کے بعد شاعری کا انداز بالکل بدل گیا اور اس میں مذہب سے والہانہ عقیدت اور مقصدیت کا عنصر غالب آگیا۔ مناجات اور طویل نعتیہ قصیدوں کو منظوم کلام میں پیش کیا۔ شاعری کے روایتی موضوعات مثلاً خیالی محبوب کے حسن و جمال کا تذکرہ، گل و بلبل کی داستان، ساغر و مینا کی توصیف وغیرہ ناپید ہیں آپ نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی مگر بہت کم، انگریزی شعراء کی بعض نظموں کو بھی اردو کا جامہ پہنایا مگر اس طرف زیادہ توجہ نہ دی۔

آپ کا سارا کلام تو محفوظ نہیں رہا بہت سا تقسیم ملک کے ہنگامے کی نذر ہو گیا سلسلہ کے اخبارات ورسائل میں آپ کا کلام چھپتا رہا ہے مگر کبھی کتابی صورت میں آپ کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔

۱۹۹۱ء میں آپکے صاحبزادے پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب نے اس کلام کا کچھ انتخاب کتابی شکل میں "کلام گوہر" کے نام سے شائع کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ "...... کئی ہاتھوں میں سے گذرنے کے بعد بالآخر ۱۹۸۹ء میں جب یہ ذخیرہ مجھے ملا تو میں نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۴ء تک کے الفضل اخبار کے فائلوں کو دیکھا اور وہاں سے کچھ مطبوعہ کلام جمع کیا۔ والد صاحب کا کلام تو سلسلہ کے کئی اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے لیکن کمزوری صحت کے باعث انکی ورق گردانی نہ کی جا سکی تاہم جو تھوڑی بہت کوشش ہو سکی اسکے نتیجہ میں قریباً دس ہزار اشعار کا مجموعہ تیار ہو گیا۔ اتنے بڑے مجموعہ میں سے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک انتخاب شائع کیا جا رہا ہے" (کلام گوہر صفحہ ۲۲)

قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابھی بہت سا کلام مطبوعہ جو کہ رسائل و جرائد میں موجود ہے یکجا ہونا باقی ہے اور اس بکھرے ہوئے کلام کی طرف یقین توجہ کی جانی چاہئے اور اسکی یکجائی کا کوئی انتظام ہونا چاہئے :-

آپ کے بارہ میں رئیس احمد جعفری اپنی کتاب "سیرت محمد علی مرحوم" جلد اول میں لکھتے ہیں "بہترین شاعر ہیں، تغزل میں اپنا رنگ سب سے الگ رکھتے ہیں، بوڑھے ہو چکے ہیں لیکن نہایت زندہ دل، ملنسار، شفیق، خلیق، اور شوخ طبع بزرگ ہیں، صحت بھی ماشاء اللہ اچھی ہے، صحت کو اچھا رکھنے کے گر جانتے ہیں جوانوں سے زیادہ محنت کرتے ہیں" (کلام گوہر صفحہ ۲۲)

آپ کے کلام کا نمونہ پیش کرنے سے پہلے جناب قیس مینائی نجیب آبادی صاحب کے چند اشعار حضرت گوہر اور کلام گوہر کے متعلق پیش کرتا ہوں :-

پوچھتے کیا ہو مقام گوہر — پڑھ کے خود دیکھو کلام گوہر
منکشف آپ ہوجائے گا — کس قدر اونچا ہے بام گوہر
سلک اشعار منظم، تنظیم — واہ رے نظم و نظام گوہر
ہند کوزہ میں سمندر یعنی — بادہ عشق بجام گوہر
دست گوہر میں تھا داماں مسیح — دست قدرت میں زمام گوہر
شرف قرب رسول اعظم — قصر جنت میں قیام گوہر
آپ ہیں حضرت مہدی کے غلام — اور ہے قیس غلام گوہر

قیس مہدی کے غلاموں کا غلام
ذرہ خاک بہ گام گوہر

نمونہ کلام

اے احمدی دکھا تو تقدیم احمدیت
دنیا پہ کردے ظاہر تفخیم احمدیت
پیش نظر ہے جب تک تعلیم احمدیت
زیر عمل ہے جب تک تنظیم احمدیت
تو سر بکف نکل جا ظلمت کی وادیوں میں
شعلوں کے سایہ میں کر تفہیم احمدیت
کر شکر اس خدا کا احمد کو جس نے بھیجا
خوش قسمتی ہے تیری تعمیم احمدیت

☆☆☆

وہ ہم سے ہوں بے زار خدا کی قدرت
پہلو میں ہوں اغیار خدا کی قدرت
زاہد تیری آنکھوں میں بسی ہیں حوریں
تسبیح میں زنار خدا کی قدرت
وہ چشم کہ زندہ ہوئے لاکھوں جس سے
ہے نرگس بیمار خدا کی قدرت

☆☆☆

یوں تو دلکش ہیں بہت اس کاکل پرخم کے پیچ
بن گئے میرے لئے کیا جانئے کیوں غم کے پیچ
خواہشات نفس کے پھندوں میں زاہد ہیں پھنسے
گردنوں میں ان کے طوق زرو درہم کے پیچ
عالمان دیر کیوں کرتے ہیں گوہر خود کشی
ڈال کر اپنے گلے میں معنی خاتم کے پیچ

☆☆☆

چنتے ہیں مضامین سخن سنج سب ان سے
گوہر تیرے اشعار کے یہ سب ہیں تلامذ

☆☆☆

قفس میں ہم تڑپ جاتے ہیں بجلی کی تڑپ سن کر
بھلانا چاہیں بھی یارب تو بھولیں آشیاں کیونکر
تری گردش میں کیا شے ہے تغیر جس سے ہوتے ہیں
پلٹ دیتا ہے تقدیروں کو تو اے آسمان کیونکر
الٰہی میں ترے صدقے مجھے بھی گریہ سمجھادے
پہنچ جاتی ہے تجھ تک کوئی آہ ناتواں کیونکر

اور آخر پر ایک نظم "احمدیوں سے خطاب" جو الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی:

وہ دکھ مجھے راحت ہے جو تجھ کو پسند آئے
وہ عشق نکما ہے جو تجھ کو نہ پر چائے
یہ جان بھی تیری ہے یہ مال بھی تیرا ہے
اچھا ہو یہ سب بچھڑے اور تو مجھے مل جائے
اسلام کے فرزندو گوہر کی سنو یارو!
کرنا وہی اے شیرو وہ یار جو فرمائے
ہیں صبر کی تاکیدیں تم صبر کئے جاؤ
طوفان بھی کوئی سر سے گذرے تو گزرجائے
اس راہ محبت میں کیا کام شکایت کا
راضی بقضاء رہ کر دیکھو جو وہ دکھلائے
ہاں کام کئے جاؤ ۔ ہاں کام کئے جاؤ
یہ فرض ہے مومن کا محنت سے نہ گھبرائے
حق موتی ہے اے یارو ، ملتا ہے جہاں لے لو
یہ نیکیوں کا ورثہ ہے جو نیک بنے پائے
یہ کوچہ الفت ہے رسوائی سے مت ڈرنا
پیارا ہے وہی اسکا دیوانہ جو کہلائے
فرزندئی احمد کو بدنام نہ کردینا
دل دے کے میرے پیارو مشکل نہیں سر دینا

(اس مضمون کی تیاری کے سلسلے میں تمام تر مواد "کلام گوہر" سے لیا گیا ہے۔)

ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ ۲۹/۷/۹۸ بروز بدھ مکرم حافظ عبدالاعلیٰ صاحب طاہر معتمد مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو بیٹی سے نوازا ہے جس کا نام حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نتاشہ طاہر عطا فرمایا ہے۔

نومولودہ مکرم عبدالعزیز صاحب آف بھیرو چیچی کنری ضلع عمرکوٹ کی پوتی اور مکرم حاجی مطیع الرحمٰن صاحب آف نواب شاہ سندھ کی نواسی ہے۔

احبابِ جماعت سے بچی کی صحت و سلامتی، درازیٔ عمر اور خادمہ دین ہونے کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکرم طارق محمود ناصر صاحب (خدام الاحمدیہ پاکستان) کو بتاریخ ۱۸/۷/۹۸ کو پہلے بیٹے سے نوازا ہے۔ حضرت صاحب نے ازراہِ شفقت نومولود کا نام فیضان احمد طارق عطا فرمایا ہے۔

نومولود مکرم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کا پوتا اور مکرم چوہدری محمد احمد صاحب کاہلوں کا نواسہ ہے۔

احبابِ جماعت سے درخواستِ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو صحت و سلامتی سے لمبی عمر بخشے نیک صالح اور دین کا خادم بنائے۔ آمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پسندیدہ دُعا

حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دُعا جس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند فرمایا اور کثرت سے دُہرانا پسند فرماتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (الترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ایسے عمل کی (محبت بھی مانگتا ہوں) جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔

اے اللہ! تُو اپنی محبت کو میرے نزدیک میری جان، میرے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبات میں جماعت کو اس دعا کے بار بار پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے انٹرویو 16 اگست کو ہوگا

مجلس مشاورت کا فیصلہ ہے کہ "ہر ضلع کی جماعت 250 چندہ دہندگان پر کم از کم ایک میٹرک پاس طالب علم جامعہ احمدیہ میں برائے تعلیم بھجوائے" امراء اضلاع و صدر صاحبان کی خدمت میں درخواست ہے کہ براہ مہربانی آپ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔اس سلسلہ میں خطبات جمعہ اور دیگر ذرائع سے جماعت کے ذہین۔ ہونہار۔ خدمت دین کا شوق رکھنے والے مخلص نوجوانوں میں وقف زندگی اور جامعہ احمدیہ میں داخلہ کی تحریک فرمائیں اور اپنے حلقہ سے زیادہ سے زیادہ طلباء کو جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے بھجوانے کی کوشش فرمائیں۔اور اپنی کوشش کے نتیجہ سے بھی مطلع فرمائیں جزاکم اللہ تعالیٰ۔

داخلہ کے لئے خصوصی ہدایات برائے امیدواران

1- جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے انٹرویو 16 اگست 1998ء بروز اتوار بوقت 7 بجے صبح ہوگا۔امیدوار کی تعلیم کم از کم میٹرک سیکنڈ ڈویژن (45 فیصد نمبر) اور عمر 17 سال یا اس سے کم ہو۔ایف اے/ایف ایس سی کے 19 لئے سال کی حد مقرر ہے۔

2- 6 اگست تک امیدوار کی درخواست مکرم امیر صاحب/صدر کی وساطت سے بذریعہ ڈاک یا دستی وکالت دیوان تحریک جدید میں پہنچ جانی چاہیے۔درخواست آنے پر اور میٹرک کے امتحان کے نتیجہ کی اطلاع ملنے پر ہی انٹرویو کے لئے تفصیلی چٹھی بذریعہ ڈاک بھجوائی جائیگی۔

3- امیدواران روزانہ قرآن کریم کی تلاوت اور سلسلہ احمدیہ کی کتب کا مطالعہ کرتے رہیں۔قرآن کریم کو صحیح طور پر پڑھنا سیکھیں۔دینی معلومات اور معلومات عامہ کو بہتر بنائیں۔

امتحان کے نتیجہ وغیرہ کی اطلاع دیتے وقت وکالت دیوان کی سابقہ چٹھی کا حوالہ ضرور دیں۔

والسلام

خاکسار

وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلسہ سالانہ برطانیہ ۱۹۹۸ء

کی غیر معمولی کامیابی پر پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ

اور تمام افرادِ جماعت کو دِلی مبارکباد۔

۱۔ ڈاکٹر نصیر احمد زاہد نبی سر روڈ ضلع عمر کوٹ

۲۔ ڈاکٹر رشید احمد فوجی نبی سر روڈ ضلع عمر کوٹ

۳۔ سیٹھ شریف احمد اینڈ سنز نبی سر روڈ ضلع عمر کوٹ

۴۔ جاوید احمد قائد مجلس و ممبران مجلسِ عاملہ خدام الاحمدیہ
محمد آباد ضلع عمر کوٹ

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب

خلیفۃ المسیح الرابع

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا ارشاد

"ہمیں اپنے وطن سے محبّت ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس محبّت میں سب سے پیش پیش ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وطن ہم سے کیا سلوک کرے ہم بہرحال اس وطن کے لئے ہر خطرے میں انشاء اللہ سب سے آگے کھڑے ہوں گے۔ ہر وہ تیر جو اس وطن کی طرف چلایا جائے گا احمدیوں کی چھاتیاں سب سے آگے ہوں گی ان تیروں کو لینے کے لئے۔"

(ماہنامہ خالد نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۹)

Monthly **Khalid** Rabwah

Regd. No. CPL-139 *Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz* August 1998